QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

الْمُمْتَحِنَہ

(٦٠)

QuranUrdu.com

المُمۡتَحَنَة

نام

اِس سورہ کی آیت ۱۰ میں حکم دیا گیا ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں، ان کا امتحان لیا جائے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المتحنہ رکھا گیا ہے۔ اس کا تلفظ مُمۡتَحَنَہ بھی کیا جاتا ہے اور مُمۡتَحِنَہ بھی۔ پہلے تلفّظ کے لحاظ سے معنی ہیں: ''وہ عورت جس کا امتحان لیا جائے''۔ اور دوسرے تلفظ کے لحاظ سے معنیٰ ہیں: ''امتحان لینے والی سورت''۔

زمانۂ نُزُول

اس میں دو ایسے معاملات پر کلام فرمایا گیا ہے جن کا زمانہ تاریخی طور پر معلوم ہے۔ پہلا معاملہ حضرت حاطِبؓ بن ابی بَلۡتَعَہ کا ہے جنھوں نے فتحِ مکّہ سے کچھ مدت پہلے ایک خفیہ خط کے ذریعے سے قریش کے سرداروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس ارادے کی اطلاع بھیجی تھی کہ آپؐ اُن پر حملہ کرنے والے ہیں۔ اور دوسرا معاملہ اُن مسلمان عورتوں کا ہے جو صلحِ حُدَیۡبِیَہ کے بعد مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے لگی تھیں اور ان کے بارے میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ شرائطِ صلح کی رُو سے مسلمان مَردوں کی طرح کیا اِن عورتوں کو بھی کفار کے حوالے کر دیا جائے؟ ان دو معاملات کے ذکر سے یہ بات قطعی طور پر متعیّن ہو جاتی ہے کہ یہ سورہ صلحِ حُدَیۡبِیَہ اور فتحِ مکّہ کے درمیانی دَور میں نازل ہوئی ہے۔ اِن کے علاوہ ایک تیسرا معاملہ بھی ہے جس کا ذکر سورت کے آخر میں آیا ہے، اور وہ یہ کہ جب عورتیں ایمان لا کر بیعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپؐ ان سے کن باتوں کا عہد لیں۔ اِس حصّے کے متعلق بھی قیاس یہی ہے کہ یہ بھی فتحِ مکّہ سے کچھ پہلے نازل ہوا ہے، کیونکہ فتحِ مکّہ کے بعد قریش کے مردوں کی طرح اُن کی عورتیں بھی بہت بڑی تعداد میں بیک وقت داخلِ اسلام ہونے والی تھیں اور اسی موقع پر یہ ضرورت پیش آنی تھی کہ اجتماعی طور پر اُن سے عہد لیا جائے۔

موضوع اور مَباحِث

اس سورت کے تین حصّے ہیں:

پہلا حصّہ آغازِ سورہ سے آیت ۹ تک چلتا ہے اور سورت کے خاتمے پر آیت ۱۳ بھی اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ اس میں حضرت حاطِبؓ بن ابی بَلۡتَعَہ کے اِس فعل پر سخت گرفت کی گئی ہے کہ انھوں نے محض اپنے اہل و عیال کو بچانے کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت اہم جنگی راز سے دشمنوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی تھی، جسے اگر بروقت ناکام نہ کر دیا گیا ہوتا تو فتحِ مکّہ کے موقع پر بڑا کُشت و خون ہوتا، مسلمانوں کی بھی بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوتیں، قریش کے بھی

QuranUrdu.com

بہت سے وہ لوگ مارے جاتے جو بعد میں اسلام کی عظیم خدمات انجام دینے والے تھے، وہ تمام فوائد بھی ضائع ہو جاتے جو مکّہ کو پُرامن طریقے سے فتح کرنے کی صورت میں حاصل ہو سکتے تھے، اور اتنے عظیم نقصانات صرف اِس وجہ سے ہوتے کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص اپنے بال بچوں کو جنگ کے خطرات سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اِس شدید غَلَطی پر تنبیہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ کسی مومن کو کسی حال میں اور کسی غرض کے لیے بھی اسلام کے دشمن کافروں کے ساتھ محبّت اور دوستی کا تعلق نہ رکھنا چاہیے، اور کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہیے جو کفر و اسلام کی کشمکش میں کفّار کے لیے مفید ہو۔ البتہ جو کافر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عملاً دشمنی اور ایذا رسانی کا برتاؤ نہ کر رہے ہوں، ان کے ساتھ احسان کا رَوِیّہ اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسرا حصّہ آیات ۱۰-۱۱ پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک اہم معاشرتی مسئلے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو اُس وقت بڑی پیچیدگی پیدا کر رہا تھا۔ مکّے میں بہت سی مسلمان عورتیں ایسی تھیں جن کے شوہر کافر تھے اور وہ کسی نہ کسی طرح ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاتی تھیں۔ اِسی طرح مدینے میں بہت سے مسلمان مرد ایسے تھے جن کی بیویاں کافر تھیں اور وہ مکّے ہی میں رہ گئی تھیں۔ اُن کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ اُن کے درمیان رشتۂ اِزدِواج باقی ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ فیصلہ فرما دیا کہ مسلمان عورت کے لیے کافر شوہر حلال نہیں ہے، اور مسلمان مرد کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ مشرک بیوی کو اپنے نکاح میں رکھے۔ یہ فیصلہ بڑے اہم قانونی نتائج رکھتا ہے، جن کی تفصیل ہم آگے اپنے حواشی میں بیان کریں گے۔

تیسرا حصّہ آیت ۱۲ پر مشتمل ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو عورتیں اسلام قبول کریں، اُن سے آپؐ اُن بڑی بڑی بُرائیوں سے بچنے کا عہد لیں جو جاہلیّتِ عرب کے معاشرے میں عورتوں کے اندر پھیلی ہوئی تھیں، اور اِس بات کا اقرار کرائیں کہ آیندہ وہ بھلائی کے اُن تمام طریقوں کی پیروی کریں گی جن کا حکم اللہ کے رسولؐ کی طرف سے ان کو دیا جائے۔

QuranUrdu.com

آیاتہا ۱۳ سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ
تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ
يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَ اِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ
خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ
بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَيْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ

اے[۱] لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم اُن کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو، حالانکہ جو حق تمھارے پاس آیا ہے اُس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں، اور اُن کی روش یہ ہے کہ رسولؐ کو اور خود تم کو صرف اِس قصور پر جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب، اللہ پر ایمان لائے ہو۔ تم چُھپا کر اُن کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو کچھ تم چُھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا

۱ — مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آغاز ہی میں اُس واقعے کی تفصیلات بیان کر دی جائیں جس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں، تاکہ آگے کا مضمون سمجھنے میں آسانی ہو۔ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے اور ابنِ عباسؓ، مجاہد، قَتادہ، عُروہ بن زُبیر وغیرہ حضرات کی مُتَّفَقہ روایت بھی یہی ہے کہ اِن آیات کا نُزول اُس وقت ہوا تھا جب مشرکینِ مکّہ کے نام حضرت حاطبؓ بن ابی بَلْتَعہ کا خط پکڑا گیا تھا۔

قصّہ یہ ہے کہ جب قریش کے لوگوں نے صلحِ حُدَیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّۂ معظّمہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں، مگر چند مخصوص صحابہؓ کے سوا کسی کو یہ نہ بتایا کہ آپؐ کس مہم پر جانا چاہتے ہیں۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں مکّۂ معظّمہ سے ایک عورت آئی جو پہلے بنی عبد المُطّلب کی لونڈی تھی اور پھر آزاد ہو کر گانے بجانے کا کام

QuranUrdu.com

کرتی تھی۔ اس نے آ کر حضوؐر سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کچھ مالی مدد مانگی۔ آپؐ نے بنی عبد المُطّلِب اور بنی المُطَّلِب سے اپیل کر کے اس کی حاجت پُوری کر دی۔ جب وہ مکّہ جانے لگی تو حضرت حاطِبؓ بن ابی بَلْتَعَہ اس سے ملے اور اس کو چپکے سے ایک خط بعض سرداران مکّہ کے نام دیا اور دس دینار دیے، تاکہ وہ راز فاش نہ کرے اور چھُپا کر یہ خط اُن لوگوں تک پہنچا دے۔ ابھی وہ مدینے سے روانہ ہی ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس پر مُطّلَع فرما دیا۔ آپؐ نے فوراً حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مِقدادؓ بن اَسْود کو اس کے پیچھے بھیجا اور حکم دیا کہ تیزی سے جاؤ، روضۂ خاخ کے مَقام پر (مدینے سے ۱۲ میل بجانبِ مکّہ) تم کو ایک عورت ملے گی، جس کے پاس مشرکین کے نام حاطب کا ایک خط ہے۔ جس طرح بھی ہو، اس سے وہ خط حاصل کرو۔ اگر وہ دے دے تو اسے چھوڑ دینا۔ نہ دے تو اس کو قتل کر دینا۔ یہ حضرات جب اس مقام پر پہنچے تو عورت وہاں موجود تھی۔ انھوں نے اس سے خط مانگا۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ انھوں نے تلاشی لی، مگر کوئی خط نہ ملا۔ آخر کو انھوں نے کہا: خط ہمارے حوالے کر، ورنہ ہم بَرَہْنَہ کر کے تیری تلاشی لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اپنی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر انھیں دے دیا، اور یہ اسے حضوؐر کی خدمت میں لے آئے۔ کھول کر پڑھا گیا تو اس میں قریش کے لوگوں کو یہ اطلاع دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر چڑھائی کی تیاری کر رہے ہیں۔ (مختلف رِوایات میں خط کے الفاظ مختلف نقل ہوئے ہیں، مگر مدّعا سب کا یہی ہے۔) حضوؐر نے حضرت حاطِبؓ سے پوچھا: ’’یہ کیا حرکت ہے؟‘‘ انھوں نے عرض کیا: ’’آپؐ میرے معاملے میں جلدی نہ فرمائیں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے، اِس بنا پر نہیں کیا ہے کہ میں کافر و مرتد ہو گیا ہوں اور اسلام کے بعد اب کفر کو پسند کرنے لگا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے اقربا مکّہ میں مقیم ہیں۔ میں قریش کے قبیلے کا آدمی نہیں ہوں، بلکہ بعض قریشیوں کی سرپرستی میں وہاں آباد ہوا ہوں۔ مہاجرین میں سے دوسرے جن لوگوں کے اہل و عیال مکّے میں ہیں، ان کو تو ان کا قبیلہ بچا لے گا، مگر میرا کوئی قبیلہ وہاں نہیں ہے جو میرے اہل و عیال کو بچانے والا ہو۔ اس لیے میں نے یہ خط اِس خیال سے بھیجا تھا کہ قریش والوں پر میرا ایک احسان رہے جس کا لحاظ کر کے وہ میرے بال بچوں کو نہ چھیڑیں۔‘‘ (حضرت حاطِبؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن کی رِوایَت یہ ہے کہ اُس وقت حضرت حاطِبؓ کے بچّے اور بھائی مکّہ میں تھے، اور خود حضرت حاطِبؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ماں بھی وہیں تھیں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطِبؓ کی یہ بات سُن کر حاضرین سے فرمایا: قد صدقکم، ’’حاطب نے تم سے سچّی بات کہی ہے‘‘، یعنی ان کے اِس فعل کا اصل محرک یہی تھا، اسلام سے انحراف اور کفر کی حمایت کا جذبہ اِس کا محرک نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُٹھ کر عرض کیا: ’’یا رسولؐ اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں، اِس نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے۔‘‘ حضوؐر نے فرمایا: ’’اس شخص نے جنگِ بدر میں حصّہ لیا ہے۔ تمھیں کیا خبر، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو مُلاحظہ فرما کر کہہ دیا ہو کہ تم خواہ کچھ بھی کرو، میں نے تم کو معاف کیا۔‘‘ (اس آخری فقرے کے الفاظ مختلف رِوایات میں مختلف ہیں۔ کسی میں ہے: قد غفرت لکم، میں نے تمھاری مغفرت کر دی۔ کسی میں ہے: انی غافر لکم، میں تمھیں بخش دینے والا ہوں۔ اور کسی میں ہے: سَاَغفر لکم، میں تمھیں بخش دوں گا۔ یہ بات سُن کر حضرت عمرؓ رو دیے اور انھوں نے کہا: ’’اللہ اور اس کے رسولؐ

مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَكُمۡ
اَعۡدَآءً وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ
تَكۡفُرُوۡنَ ﴿۲﴾ ط لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ ۚ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ۚ

معانقة ۱۲ — السماع الوقف علی القیٰمۃ ۱۲

کرے، وہ یقیناً راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اُن کا رَوِیّہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابُو پا جائیں تو تمھارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ اور زبان سے تمھیں آزار دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ[۲]۔ قیامت کے دن نہ تمھاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی نہ تمھاری اولاد[۳]۔

ہی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ یہ اُن کثیر التعداد روایات کا خلاصہ ہے جو متعدّد معتبر سندوں سے بخاری، مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمِذی، نَسائی، ابنِ جَرِیر طَبَری، ابنِ ہِشَام، ابنِ حِبّان اور ابنِ ابی حاتم نے نقل کی ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مستند روایت وہ ہے جو خود حضرت علیؓ کی زبان سے ان کے کاتب (سکریٹری) عبیداللہ بن ابی رافع نے سنی اور ان سے حضرت علیؓ کے پوتے حسن بن محمد بن حَنَفِیّہ نے سن کر بعد کے راویوں تک پہنچائی۔ ان میں سے کسی روایت میں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت حاطِبؓ کا یہ عذر سُن کر ان کو معاف کر دیا گیا۔ لیکن کسی ذریعے سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انھیں کوئی سزا دی گئی۔ اسی لیے علمائے اُمت نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت حاطِبؓ کا عذر قبول کر کے انھیں چھوڑ دیا گیا تھا۔

۲ – یہاں تک جو کچھ ارشاد ہوا ہے، اور آگے اِسی سلسلے میں جو کچھ آ رہا ہے، اگرچہ اُس کے نُزول کا موقع حضرت حاطِبؓ ہی کا واقعہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے تنہا اُنھی کے مُقدَّمے پر کلام فرمانے کے بجائے تمام اہلِ ایمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہ درس دیا ہے کہ کفر و اسلام کا جہاں مقابلہ ہو، اور جہاں کچھ لوگ اہلِ ایمان سے اُن کے مسلمان ہونے کی بنا پر دشمنی کر رہے ہوں، وہاں کسی شخص کا کسی غرض اور کسی مَصلَحت سے بھی کوئی ایسا کام کرنا جس سے اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہو اور کفر و کفّار کے مفاد کی خدمت ہوتی ہو، ایمان کے منافی حرکت ہے۔ کوئی شخص اگر اسلام کی بدخواہی کے جذبے سے بالکل خالی ہو، اور بدنیتی سے نہیں بلکہ محض اپنی کسی شدید ترین ذاتی مصلحت کی خاطر ہی یہ کام کرے، پھر بھی یہ فعل کسی مومن کے کرنے کا نہیں ہے، اور جس نے بھی یہ کام کیا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔

۳ – یہ اشارہ ہے حضرت حاطِبؓ کی طرف۔ انھوں نے اپنی ماں، اپنے بھائی اور اپنی اولاد کو جنگ کے موقع پر دشمنوں کی ایذا سے بچانے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ اِس پر فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے جن کی خاطر اتنے بڑے قُصُور کا ارتکاب کر ڈالا، وہ قیامت کے روز تمھیں بچانے کے لیے نہیں آئیں گے۔ کسی کی یہ ہمت نہیں ہوگی کہ خدا کی عدالت میں آگے بڑھ کر یہ کہے کہ ہمارے باپ، یا ہمارے بیٹے، یا ہمارے بھائی نے ہماری خاطر یہ گناہ کیا تھا، اس لیے اس کے بدلے کی سزا ہمیں دے دی جائے۔ اُس وقت ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی، اپنے اعمال ہی کے خمیازے سے بچنے کا

QuranUrdu.com

يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

اُس روز اللہ تمھارے درمیان جدائی ڈال دے گا[۴]، اور وہی تمھارے اعمال کا دیکھنے والا ہے[۵]۔

سوال ہر شخص کے لیے بلائے جان بن رہا ہوگا، کجا کہ کوئی کسی دوسرے کے حصّے کا خمیازہ بھی اپنے اُوپر لینے کے لیے تیار ہو۔ یہی بات ہے جو قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر زیادہ صریح الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا: ”اُس روز مجرم یہ چاہے گا کہ اپنی اولاد، اپنی بیوی، اپنے بھائی، اپنی حمایت کرنے والے خاندان اور دنیا بھر کے لوگوں کو بھی اگر فدیے میں دے کر عذاب سے چھوٹ سکتا ہو تو انھیں بھینٹ چڑھا دے اور خود چھوٹ جائے۔“ (المعارج، آیات ۱۱ تا ۱۴) دوسری جگہ فرمایا: ”اُس روز آدمی اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا۔ ہر ایک اپنے ہی حال میں ایسا گرفتار ہوگا جس میں اسے کسی کا ہوش نہ ہوگا۔“ (عَبَس، ۳۴ تا ۳۷)

۴ – یعنی دنیا کے تمام رشتے، تعلقات اور رابطے وہاں توڑ دیے جائیں گے۔ جتھوں اور پارٹیوں اور خاندانوں کی شکل میں لوگوں کا محاسبہ نہ ہوگا، بلکہ ایک ایک فرد اپنی ذاتی حیثیت میں پیش ہوگا اور ہر ایک کو اپنا ہی حساب دینا پڑے گا۔ اِس لیے دنیا میں کسی شخص کو بھی کسی قرابت یا دوستی یا جتھّا بندی کی خاطر کوئی ناجائز کام نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ اپنے کیے کی سزا اُس کو خود ہی بھگتنی ہوگی، اس کی ذاتی ذمّہ داری میں کوئی دوسرا شریک نہ ہوگا۔

۵ – حضرت حاطِبؓ کے اس مُقدّمے سے، جس کی تفصیل اُوپر ہم نے نقل کی ہے، اور اِن آیات سے جو اس واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، حسبِ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

(۱) قطعِ نظر اس سے کہ کرنے والے نے کس نیت سے کیا، بجائے خود یہ فعل صریحاً ایک جاسوسی کا فعل تھا، اور جاسوسی بھی بڑے نازک موقع پر سخت خطرناک نوعیت کی تھی کہ حملے سے پہلے بے خبر دشمن کو خبردار کیا گیا تھا۔ پھر معاملہ شُبہے کا بھی نہ تھا، بلکہ مُلزَم کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا خط پکڑ لیا گیا، تھا جس کے بعد کسی ثبوت کی حاجت نہ تھی۔ حالات بھی زمانۂ امن کے نہیں، زمانۂ جنگ کے تھے۔ مگر اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطِبؓ کو صفائی کا موقع دیے بغیر نظر بند نہیں کر دیا۔ اور صفائی کا موقع بھی اُن کو بند کمرے میں نہیں بلکہ کھُلی عدالت میں برسرِ عام دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں ایسے قوانین اور قواعد وضوابط کی کوئی گنجایش نہیں ہے جن کی رُو سے کسی حالت میں حُکّام کو یہ حق پہنچتا ہو کہ کسی شخص کو محض اپنے علم یا شُبہے کی بنا پر قید کر دیں۔ اور بند کمرے میں خفیہ طریقے پر مُقدّمہ چلانے کا طریقہ بھی اسلام میں نہیں ہے۔

(۲) حضرت حاطِبؓ نہ صرف مہاجرین میں سے تھے بلکہ اہلِ بدر میں شامل تھے، جنھیں صحابہؓ کے اندر بھی ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ مگر اس کے باوجود ان سے اتنا بڑا جُرم سرزد ہوگیا، اور اس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اِس شدّت کے ساتھ گرفت فرمائی جسے اُوپر کی آیات میں دیکھا جا سکتا ہے۔ احادیث میں بھی اُن کا قصّہ پُوری تفصیل کے ساتھ نقل کیا گیا ہے اور مفسّرین میں سے بھی شاید ہی کوئی ہو جس نے اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ یہ من جملہ ان بہت سے شواہد کے ہے

QuranUrdu.com

جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہؓ بے خطا نہیں تھے، اُن سے بھی بشری کمزوریوں کی بنا پر خطائیں سرزد ہوسکتی تھیں اور عملاً ہوئیں، اور اُن کے احترام کی جو تعلیم اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے، کم از کم اُس کا تقاضا ہرگز یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کسی سے اگر کوئی غلط کام سرزد ہوا ہو تو اس کا ذکر نہ کیا جائے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اس کا تقاضا یہ ہوتا تو نہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں اُن کا ذکر کرتا اور نہ صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ اور محدثین و مفسّرین اپنی رِوایات میں ان کی تفصیلات بیان کرتے۔

(۳) حضرت حاطبؓ کے مُقدّمے میں حضرت عمرؓ نے جس رائے کا اظہار کیا، وہ اُن کے فعل کی ظاہری صورت کے لحاظ سے تھا۔ اُن کا اِستِدلال یہ تھا کہ یہ فعل ایسا ہے جو صریحاً اللہ اور اس کے رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی نوعیت رکھتا ہے، اس لیے حاطب منافق اور واجب القتل ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اِس نقطۂ نظر کو ردّ فرما دیا اور اسلامی شریعت کا اصل نقطۂ نظر یہ بتایا کہ محض فعل کی ظاہری شکل پر ہی فیصلہ نہیں کر دینا چاہیے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جس شخص سے وہ صادر ہوا ہے، اس کی پچھلی زندگی اور مجموعی سیرت کیا شہادت دیتی ہے اور قرائن کس بات پر دلالت کرتے ہیں۔ فعل کی شکل بلاشبہ جاسوسی کی ہے۔ مگر کیا اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ فاعل کا آج تک کا رَوِیّہ یہی بتا رہا ہے کہ یہ شخص یہ کام اللہ اور رسولؐ اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی نیت سے کر سکتا تھا؟ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنھوں نے ایمان کی خاطر ہجرت کی۔ کیا خلوص کے بغیر وہ اتنی بڑی قربانی کر سکتا تھا؟ اس نے جنگِ بدر جیسے نازک موقع پر، جب کہ دشمنوں کی تین گُنی اور بہت زیادہ مسلّح طاقت سے مقابلہ درپیش تھا، ایمان کی خاطر اپنی جان لڑائی۔ کیا ایسے آدمی کا اخلاص مُشتبَہ ہوسکتا ہے؟ یا اُس کے بارے میں یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں کفّارِ قریش کی طرف کوئی ادنیٰ سا میلان بھی موجود ہے؟ وہ اپنے فعل کی صاف صاف وجہ یہ بتا رہا ہے کہ مکّے میں اُس کے بال بچّوں کو خاندان اور قبیلے کا وہ تحفظ حاصل نہیں ہے جو دوسرے مہاجرین کو حاصل ہے، اس لیے اس نے ان کو جنگ کے موقع پر کفار کی ایذا رسانی سے بچانے کی خاطر یہ کام کیا ہے۔ حقائق اس کی تائید کرتے ہیں کہ فی الواقع مکّے میں اس کا کوئی قبیلہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ واقعی اس کے بال بچے وہاں موجود ہیں۔ اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اُس کے اِس بیان کو جھوٹا سمجھا جائے اور یہ رائے قائم کی جائے کہ اس کے اِس فعل کا اصل محرک یہ نہ تھا بلکہ خیانت ہی کا ارادہ اُس کے اندر پایا جاتا تھا۔ بلاشبہ ایک مخلص مسلمان کے لیے نیک نیّتی سے بھی یہ حرکت جائز نہیں ہے کہ وہ محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر دشمنوں کو مسلمانوں کے جنگی منصوبوں کی خبر بہم پہنچائے، لیکن مخلص کی غَلَطی اور منافق کی غدّاری میں بڑا فرق ہے۔ محض نوعیتِ فعل کی بنا پر دونوں کی ایک ہی سزا نہیں ہوسکتی۔ یہ تھا اِس مُقدّمے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ، اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ مُمتَحِنَہ کی اِن آیات میں اس کی تائید فرمائی۔ اُوپر کی تینوں آیات کو غور سے پڑھیے تو صاف محسوس ہوگا کہ ان میں حضرت حاطبؓ پر عتاب تو ضرور فرمایا گیا ہے، مگر یہ عتاب اُس طرز کا ہے جو ایک مومن کے لیے ہوتا ہے، نہ کہ وہ جو ایک منافق کے لیے ہوا کرتا ہے۔ مزید برآں اُن کے لیے کوئی مالی یا جسمانی سزا تجویز نہیں کی گئی ہے، بلکہ عَلانیہ سخت زَجر و توبیخ کر کے چھوڑ دیا گیا

QuranUrdu.com

ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ مسلم معاشرے میں ایک خطا کار مومن کی عزت کو بٹّا لگ جانا اور اس کے اعتماد پر حرف آ جانا بھی اس کے لیے ایک بڑی سزا ہے۔

(۴) بدری صحابہؓ کی فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "تمھیں کیا خبر، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو مُلاحظہ فرما کر کہہ دیا ہو کہ تم خواہ کچھ بھی کرو، میں نے تم کو معاف کر دیا"، اس کے معنیٰ یہ نہ تھے کہ بدری صحابیوں کو سات خون معاف ہیں، اور انھیں کُھلی چھُٹی ہے کہ دنیا میں جو گناہ اور جو جُرم بھی کرنا چاہیں کرتے رہیں، مغفرت کی اُن کو پیشگی ضمانت حاصل ہے۔ یہ مطلب نہ حضورؐ کا تھا، نہ صحابہؓ نے کبھی اِس ارشاد کا یہ مطلب لیا، نہ کسی بدری صحابی نے یہ بشارت سُن کر اپنے آپ کو ہر گناہ کرنے کے لیے آزاد سمجھا، اور نہ اسلامی شریعت میں اس کی بنا پر ایسا کوئی قاعدہ بنایا گیا کہ بدری صحابی سے اگر کوئی جرم سرزد ہو تو اسے کوئی سزا نہ دی جائے۔ دراصل جس موقع و محل میں یہ بات فرمائی گئی تھی اُس پر، اور خود اُن الفاظ پر جو آپؐ نے استعمال فرمائے ہیں، اگر غور کیا جائے تو اِس ارشاد کا صاف مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اہلِ بدر نے اللہ اور اس کے دین کے لیے اخلاص اور سرفروشی و جانبازی کا اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے جس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیے ہوں تو یہ بھی اِس خدمت اور اللہ کے کرم کو دیکھتے ہوئے کچھ بعید از امکان نہیں ہے، لہٰذا ایک بدری پر خیانت اور منافقت کا شبہ نہ کرو، اور اپنے جرم کا جو سبب وہ خود بیان کر رہا ہے اسے قبول کر لو۔

(۵) قرآنِ مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مسلمان کا کُفّار کے لیے جاسوسی کر بیٹھنا بجائے خود اِس بات کا فیصلہ کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ مرتد ہو گیا ہے، یا ایمان سے خارج ہے، یا منافق ہے۔ ایسا فیصلہ کرنے کے لیے اگر کچھ دوسرے قرائن و شواہد موجود ہوں تو بات الگ ہے، ورنہ اپنی جگہ یہ فعل صرف ایک جرم ہے، کفر نہیں ہے۔

(۶) قرآنِ مجید کی اِن آیات سے یہ بات بھی واضح ہے کہ مسلمان کے لیے کفّار کی جاسوسی کرنا کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے، خواہ اس کی یا اس کے قریب ترین عزیزوں کی جان و مال کو کیسا ہی خطرہ لاحق ہو۔

(۷) حضرت عمرؓ نے جب حضرت حاطبؓ کو جاسوسی کے جرم میں قتل کرنے کی اجازت طلب کی تو حضورؐ نے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ جرم مُستوجبِ قتل نہیں ہے، بلکہ اجازت دینے سے انکار اس بنا پر کیا کہ حاطبؓ کا بدری ہونا ان کے مخلص ہونے کا صریح ثبوت ہے اور ان کا یہ بیان صحیح ہے کہ انھوں نے دشمنوں کی خیر خواہی کے لیے نہیں بلکہ اپنے بال بچوں کو ہلاکت کے خطرے سے بچانے کے لیے یہ کام کیا تھا۔ اس سے فقہا کے ایک گروہ نے یہ اِستِدلال کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کے لیے عام قانون یہی ہے کہ اسے قتل کیا جائے، اِلّا یہ کہ بہت وزنی وُجوہ اُسے کم تر سزا دینے یا محض ملامت کر کے چھوڑ دینے کے لیے موجود ہوں۔ مگر فقہا کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے فقہا کا مسلک یہ ہے کہ مسلمان جاسوس کو تعزیر دی جائے گی، مگر اس کا قتل جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام اَوزاعیؒ کہتے ہیں کہ اسے جسمانی عُقوبت اور طویل قید کی سزا دی جائے گی۔

QuranUrdu.com

قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ‌ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِهِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡكُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ كَفَرۡنَا بِكُمۡ وَبَدَا بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةُ وَالۡبَغۡضَآءُ

تم لوگوں کے لیے ابراہیمؑ اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: "ہم تم سے اور تمھارے اِن معبودوں سے، جن کو تم خدا کو چھوڑ کر پُوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا[٦] اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے عداوت ہوگئی اور بَیر پڑ گیا

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اسے قتل کیا جائے گا۔ لیکن مالکی فقہا کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہیں۔ اَشْہَب کہتے ہیں کہ امام کو اس معاملے میں وسیع اختیارات حاصل ہیں، جرم اور مجرم کے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ اپنے اجتہاد سے کوئی سزا دے سکتا ہے۔ ایک قول امام مالکؒ اور ابن القاسم کا بھی یہی ہے۔ ابن الماجشُون اور عبدالملک بن حبیب کہتے ہیں کہ اگر مجرم نے جاسوسی کی عادت ہی بنا لی ہو تو اسے قتل کیا جائے۔ ابنِ وَہب کہتے ہیں کہ جاسوس کی سزا تو قتل ہی ہے، مگر وہ اس فعل سے تائب ہو جائے تو اسے معاف کیا جا سکتا ہے۔ سَحْنُون کہتے ہیں کہ اس کی توبہ صحیح ہے یا محض فریب، اِس کا علم آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے اسے قتل ہی کیا جانا چاہیے۔ ابن القاسم کا بھی ایک قول اس کی تائید میں ہے۔ اور اَصْبَغ کہتے ہیں کہ حَربی جاسُوس کی سزا قتل ہے، مگر مسلم اور ذمّی جاسوس کو قتل کے بجائے عُقوبت دی جائے گی، اِلّا یہ کہ وہ مسلمانوں کے مقابلے میں دشمنوں کی کھلی کھلی مدد کر رہا ہو۔ (احکام القرآن، ابن العربی۔ عُمدۃ القاری۔ فتح الباری)

(۸) حدیثِ مذکور سے اِس امر کا جواز بھی نکلتا ہے کہ تفتیشِ جرم کے لیے اگر ضرورت پڑے تو مُلزَم مرد ہی نہیں، عورت کے کپڑے بھی اُتارے جا سکتے ہیں۔ حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مِقدادؓ نے اگرچہ اس عورت کو بَرَہنہ نہیں کیا تھا، لیکن انھوں نے اسے دھمکی دی تھی کہ وہ خط حوالے نہ کرے گی تو وہ اسے برہنہ کر کے اس کی تلاشی لیں گے۔ ظاہر ہے اگر یہ فعل جائز نہ ہوتا تو یہ تین جلیل القدر صحابی اس کی دھمکی نہیں دے سکتے تھے۔ اور قیاس یہ کہتا ہے کہ انھوں نے ضرور واپس جا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مہم کی رُوداد سنائی ہوگی۔ حضورؐ نے اگر اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہوتا تو وہ ضرور منقول ہوتا۔ اسی لیے فقہا نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ (عُمدۃ القاری)

٦ — یعنی ہم تمھارے کافر ہیں، نہ تمھیں حق پر مانتے ہیں نہ تمھارے دین کو۔ اللہ پر ایمان کا لازمی تقاضا طاغوت سے کفر ہے۔ فَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَيُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا "پس جو شخص طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے، اس نے درحقیقت مضبوط سہارا تھام لیا، جو ٹوٹنے والا

QuranUrdu.com

اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا

جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔" مگر ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اِس سے مستثنیٰ ہے) کہ "میں آپ کے لیے مغفرت کی درخواست ضرور کروں گا، اور اللہ سے آپ کے لیے کچھ حاصل کرلینا میرے بس میں نہیں ہے۔" (اور ابراہیمؑ واصحاب ابراہیمؑ کی دُعا یہ تھی کہ) "اے ہمارے رب!

نہیں ہے۔" (البقرہ: ۲۵٦)

۷ — دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے حضرت ابراہیمؑ کی یہ بات تو قابلِ تقلید ہے کہ انھوں نے اپنی کافر ومشرک قوم سے صاف صاف بیزاری اور قطعِ تعلق کا اعلان کر دیا، مگر اُن کی یہ بات تقلید کے قابل نہیں ہے کہ اُنھوں نے اپنے مشرک باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنے کا وعدہ کیا اور عملاً اس کے حق میں دعا کی۔ اس لیے کہ کافروں کے ساتھ محبّت اور ہمدردی کا اِتنا تعلق بھی اہلِ ایمان کو نہ رکھنا چاہیے۔ سورۂ توبہ (آیت ۱۱۳) میں اللہ تعالیٰ کا صاف صاف ارشاد ہے: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔ "نبی کا یہ کام نہیں ہے اور نہ اُن لوگوں کو یہ زیبا ہے جو ایمان لائے ہیں کہ مشرکوں کے لیے دعائے مغفرت کریں، خواہ وہ اُن کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔" پس کوئی مسلمان اِس دلیل سے اپنے کافر عزیزوں کے حق میں دعائے مغفرت کرنے کا مجاز نہیں ہے کہ یہ کام حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا۔ رہا یہ سوال کہ خود حضرت ابراہیمؑ نے یہ کام کیسے کیا؟ اور کیا وہ اس پر قائم بھی رہے؟ اس کا جواب قرآنِ مجید میں ہم کو پوری تفصیل کے ساتھ ملتا ہے۔ اُن کے باپ نے جب اُن کو گھر سے نکال دیا تو چلتے وقت انھوں نے کہا تھا: سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ "آپ کو سلام ہے، میں اپنے رب سے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا" (مریم: ۴۷) اِسی وعدے کی بنا پر انھوں نے دو مرتبہ اس کے حق میں دُعا کی۔ ایک دُعا کا ذکر سورۂ ابراہیم (آیت ۴۱) میں ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ "اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو اُس روز معاف کر دیجیو جب حساب لیا جانا ہے۔" اور دوسری دُعا سورۂ شُعراء (آیت ۸٦، ۸۷) میں ہے: وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۙ "میرے باپ کو معاف فرما دے کہ وہ گمراہوں میں سے تھا، اور مجھے اُس دن رُسوا نہ کر جب سب لوگ زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔" لیکن بعد میں جب اُن کو یہ احساس ہو گیا کہ اپنے جس باپ کی مغفرت کے لیے وہ دعا کر رہے ہیں وہ تو اللہ کا دشمن تھا، تو انھوں نے اس سے تبرّی کی اور اس کے ساتھ ہمدردی و محبّت کا یہ تعلق بھی توڑ لیا:

QuranUrdu.com

عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا وَ اِلَیۡکَ اَنَبۡنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۴﴾ رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَةً
لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ اغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾

تیرے ہی اُوپر ہم نے بھروسا کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رُجوع کرلیا اور تیرے ہی حُضور ہمیں پلٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لیے فتنہ نہ بنا دے[۸]۔ اور اے ہمارے رب! ہمارے قصوروں سے درگزر فرما، بے شک تُو ہی زبردست اور دانا ہے۔“

وَ مَا کَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِیۡمَ لِاَبِیۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِیۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیۡمٌ ﴿﴾ (التوبہ: ۱۱۴)

اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اِس کے سوا کسی وجہ سے نہ تھا کہ ایک وعدہ تھا جو اس نے اپنے باپ سے کر لیا تھا۔ پھر جب اس پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دشمن تھا تو اس نے اس سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ابراہیمؑ ایک رقیق القلب اور نرم خُو آدمی تھا۔

اِن آیات پر غور کرنے سے یہ اُصولی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انبیاؑ کا صرف وہی عمل قابلِ تقلید ہے جس پر وہ آخر وقت تک قائم رہے ہوں۔ رہے ان کے وہ اعمال جن کو انھوں نے بعد میں خود چھوڑ دیا ہو، یا جن پر اللہ تعالیٰ نے اُنھیں قائم نہ رہنے دیا ہو، یا جن کی ممانعت اللہ کی شریعت میں وارد ہو چکی ہو، وہ قابلِ تقلید نہیں ہیں، اور کوئی شخص اِس حجت سے اُن کے ایسے اعمال کی پیروی نہیں کرسکتا کہ یہ فُلاں نبی کا عمل ہے۔

یہاں ایک اور سوال بھی پیدا ہوتا ہے جو آدمی کے ذہن میں کھٹک پیدا کرسکتا ہے۔ آیتِ زیرِ بحث میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے جس قول کو قابلِ تقلید نمونہ ہونے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس کے دو حصّے ہیں: ایک حصّہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا: ”میں آپ کے لیے مغفرت کی دعا کروں گا۔“ اور دوسرا حصّہ یہ کہ ”میرے بس میں کچھ نہیں ہے کہ اللہ سے آپ کو معافی دلوا دوں۔“ ان میں سے پہلی بات کا قابلِ تقلید نہ ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر دوسری بات میں کیا خرابی ہے کہ اسے بھی نمونۂ قابلِ تقلید ہونے سے مستثنیٰ کر دیا گیا؟ حالانکہ وہ بجائے خود حق بات ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول اِستثنا میں اس وجہ سے داخل ہوا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے ایک کام کا وعدہ کرنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ اس سے زیادہ تیرے لیے کچھ کرنا میرے بس میں نہیں ہے تو اس سے خود بخود یہ مطلب نکلتا ہے کہ اگر اس سے زیادہ کچھ کرنا اس کے بس میں ہوتا تو وہ شخص اس کی خاطر وہ بھی کرتا۔ یہ بات اُس آدمی کے ساتھ اُس شخص کے ہمدردانہ تعلق کو اور بھی زیادہ شدّت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ کا یہ دوسرا قول بھی استثنا میں شامل کیے جانے کا مستحق تھا، اگرچہ اس

QuranUrdu.com

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا
اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦ ع
عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم
مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧

ع ۲

اِنھی لوگوں کے طرزِ عمل میں تمھارے لیے اور ہر اُس شخص کے لیے اچھّا نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخر کا اُمیدوار ہو۔[9] اِس سے کوئی منحرف ہو تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔[10] ع

بعید نہیں کہ اللہ کبھی تمھارے اور اُن لوگوں کے درمیان محبّت ڈال دے جن سے آج تم نے دشمنی مول لی ہے۔[11] اللہ بڑی قدرت رکھتا ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔

کا یہ مضمون بجائے خود برحق تھا کہ اللہ سے کسی کی مغفرت کروا دینا ایک نبی تک کے اختیار سے باہر ہے۔ علامۂ آلُوسیؒ نے بھی رُوح المعانی میں اس سوال کا یہی جواب دیا ہے۔

۸ — کافروں کے لیے اہلِ ایمان کے فتنہ بننے کی متعدّد صورتیں ہوسکتی ہیں، جن سے ہر مومن کو خدا کی پناہ مانگنی چاہیے۔ مثال کے طور پر اس کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کافر اُن پر غالب آ جائیں اور اپنے غلبے کو اِس بات کی دلیل قرار دیں کہ ہم حق پر ہیں اور اہلِ ایمان برسرِ باطل، ورنہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اِن لوگوں کو خدا کی رضا حاصل ہوتی اور پھر بھی ہمیں اِن پر غلبہ حاصل ہوتا۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اہلِ ایمان پر کافروں کا ظلم و ستم اُن کی حدِ برداشت سے بڑھ جائے اور آخر کار وہ اُن سے دب کر اپنے دین و اَخلاق کا سودا کرنے پر اُتر آئیں۔ یہ چیز دنیا بھر میں مومنوں کی جگ ہنسائی کی موجب ہوگی اور کافروں کو اس سے دین اور اہلِ دین کی تذلیل کا موقع ملے گا۔ تیسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دینِ حق کی نمایندگی کے مقامِ بلند پر فائز ہونے کے باوجود اہلِ ایمان اُس اَخلاقی فضیلت سے محروم رہیں جو اِس مَقام کے شایانِ شان ہے، اور دنیا کو اُن کی سیرت و کردار میں بھی وہی عُیوب نظر آئیں جو جاہلیّت کے معاشرے میں عام طور پر پھیلے ہوئے ہوں۔ اس سے کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اس دین میں آخر وہ کیا خوبی ہے جو اِسے ہمارے کفر پر شرف عطا کرتی ہو؟ (مزید تفصیل کے لیے مُلاحَظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، یونُس، حاشیہ ۸۳)

۹ — یعنی جو اس بات کی توقع رکھتا ہو کہ ایک روز اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے، اور اس چیز کا امیدوار ہو کہ

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ
یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۸ اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ
قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤی
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۹

اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے[۱۲]۔ وہ تمھیں جس بات سے روکتا ہے، وہ تو یہ ہے کہ تم اُن لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے اِخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔ اُن سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں[۱۳]۔

اللہ اسے اپنے فضل سے نوازے اور روزِ آخر میں اسے سُرخروئی نصیب ہو۔

۱۰ – یعنی اللہ کو ایسے ایمان لانے والوں کی کوئی حاجت نہیں ہے جو اس کے دین کو ماننے کا دعویٰ بھی کریں اور پھر اس کے دشمنوں سے دوستی بھی رکھیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ اس کی خدائی اِس کی محتاج نہیں ہے کہ یہ لوگ اسے خدا مانیں۔ اور وہ اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔ اس کا محمود ہونا اس بات پر موقوف نہیں ہے کہ یہ اس کی حمد کریں۔ یہ اگر ایمان لاتے ہیں تو اللہ کے کسی فائدے کے لیے نہیں، اپنے فائدے کے لیے لاتے ہیں۔ اور انھیں ایمان کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جب تک یہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی طرح اللہ کے دشمنوں سے محبّت اور دوستی کے رشتے توڑ نہ لیں۔

۱۱ – اُوپر کی آیات میں مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں سے قطعِ تعلّق کی جو تلقین کی گئی تھی، اس پر سچّے اہلِ ایمان اگرچہ بڑے صبر کے ساتھ عمل کر رہے تھے، مگر اللہ کو معلوم تھا کہ اپنے ماں باپ، بھائی بہنوں اور قریب ترین عزیزوں سے تعلق توڑ لینا کیسا سخت کام ہے اور اس سے اہلِ ایمان کے دلوں پر کیا کچھ گزر رہی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے

QuranUrdu.com

ان کو تسلّی دی کہ وہ وقت دُور نہیں ہے جب تمھارے یہی رشتہ دار مسلمان ہو جائیں گے اور آج کی دشمنی کل پھر محبّت میں تبدیل ہو جائے گی۔ جب یہ بات فرمائی گئی تھی، اُس وقت کوئی شخص بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ نتیجہ کیسے رونما ہوگا۔ مگر ان آیات کے نُزول پر چند ہی ہفتے گزرے تھے کہ مکّہ فتح ہو گیا، قریش کے لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے، اور مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جس چیز کی انھیں اُمّید دلائی گئی تھی، وہ کیسے پُوری ہوئی۔

۱۲ – اس مَقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شُبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ نیک برتاؤ تو خیر ٹھیک ہے، مگر کیا انصاف بھی صرف اُنھی کے لیے مخصوص ہے؟ اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ بے انصافی کرنی چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اِس سِیاق و سَباق میں دراصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمھارے ساتھ عداوت نہیں برتتا، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجے میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سا سلوک کرنا انصاف نہیں ہے۔ تمھیں اُن لوگوں کے ساتھ سخت رَوِیّہ اختیار کرنے کا حق ہے جنھوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے، اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبُور کیا، اور نکالنے کے بعد بھی تمھارا پیچھا نہ چھوڑا۔ مگر جن لوگوں نے اِس ظلم میں کوئی حصّہ نہیں لیا، انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اور رشتے اور بَرادری کے لحاظ سے اُن کے جو حُقوق تم پر عائد ہوتے ہیں، انھیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔

۱۳ – سابقہ آیات میں کفار سے جس ترکِ تعلق کی ہدایت کی گئی تھی، اس کے متعلق لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہو سکتی تھی کہ یہ اُن کے کافر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس لیے اِن آیات میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ اُس کی اصل وجہ ان کا کفر نہیں، بلکہ اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ ان کی عداوت اور ان کی ظالمانہ رَوِش ہے۔ لٰہذا مسلمانوں کو دشمن کافر اور غیر دشمن کافر میں فرق کرنا چاہیے، اور اُن کافروں کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرنا چاہیے جنھوں نے کبھی اُن کے ساتھ کوئی بُرائی نہ کی ہو۔ اس کی بہترین تشریح وہ واقعہ ہے جو حضرت اَسماء بنتِ ابی بکرؓ اور ان کی کافر ماں کے درمیان پیش آیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی ایک بیوی قُتَیلَہ بنتِ عبدالعُزّٰی کافرہ تھیں اور ہجرت کے بعد مکّے ہی میں رہ گئی تھیں۔ حضرت اسماءؓ انھی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں۔ صلحِ حُدَیبیّہ کے بعد جب مدینہ اور مکّہ کے درمیان آمد و رفت کا راستہ کُھل گیا تو وہ بیٹی سے ملنے کے لیے مدینہ آئیں اور کچھ تحفہ تحائف بھی لائیں۔ حضرت اَسماءؓ کی اپنی رِوایت یہ ہے کہ میں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''اپنی ماں سے مل لوں؟ اور کیا میں ان سے صلۂ رحمی بھی کر سکتی ہوں؟'' حضورؐ نے جواب دیا: ''اس سے صلۂ رحمی کرو۔'' (مُسنَدِ احمد، بخاری، مسلم) حضرت اَسماءؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن زُبیرؓ اس واقعے کی مزید تفصیل یہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے حضرت اَسماءؓ نے ماں سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ بعد میں جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی اجازت مل گئی تب وہ ان سے ملیں۔ (مُسنَدِ احمد، ابنِ جَرِیر، ابنِ ابی حاتم) اِس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے اپنے کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اور اپنے کافر بھائی بہنوں

QuranUrdu.com

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمھارے پاس آئیں تو (ان کے مومن ہونے کی) جانچ پڑتال کرلو، اور ان کے ایمان کی حقیقت اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو۔[۱۴] نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفّار ان کے لیے حلال۔ ان کے کافر شوہروں نے

اور رشتہ داروں کی مدد کرنا جائز ہے جب کہ وہ دشمنِ اسلام نہ ہوں۔ اور اسی طرح ذِمّی مساکین پر صدقات بھی صَرف کیے جا سکتے ہیں۔ (احکام القرآن للجصّاص، رُوح المعانی)

۱۴۔ اس حکم کا پَس منظر یہ ہے کہ صلحِ حُدَیبِیَّہ کے بعد اوّل اوّل تو مسلمان مرد مکّہ سے بھاگ کر مدینہ آتے رہے اور انھیں معاہدے کی شرائط کے مطابق واپس کیا جاتا رہا۔ پھر مسلمان عورتوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سب سے پہلے اُمِّ کُلثومؓ بنتِ عُقبَہ بن ابی مُعَیط ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں۔ کفّار نے معاہدے کا حوالہ دے کر ان کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا اور اُمِّ کلثومؓ کے دو بھائی ولید بن عُقبَہ اور عُمارہ بن عُقبہ انھیں واپس لے جانے کے لیے مدینے پہنچ گئے۔ اس وقت یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا حُدَیبِیَّہ کے معاہدے کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اسی سوال کا یہاں جواب دیا ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوں اور یہ اطمینان کرلیا جائے کہ واقعی وہ ایمان ہی کی خاطر ہجرت کر کے آئی ہیں، کوئی اور چیز انھیں نہیں لائی ہے، تو انھیں واپس نہ کیا جائے۔

اس مَقام پر احادیث کی روایتِ بالمعنیٰ سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے۔ صلحِ حُدَیبِیَّہ کی شرائط کے متعلق احادیث میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں، وہ اکثر و بیشتر بالمعنیٰ روایات ہیں۔ زیرِ بحث شرط کے متعلق ان میں سے کسی رِوایَت کے الفاظ یہ ہیں: من جاء منکم لم نردہ علیکم ومن جاءکم منا رددتموہ علینا۔ ”تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہ کریں گے، اور ہم میں سے جو تمھارے پاس جائے گا اسے تم واپس کرو گے۔“ کسی میں یہ الفاظ ہیں: من اتی رسول اللّٰہ من اصحابہ بغیر اذن ولیہ ردہ علیہ۔ ”رسولؐ اللہ کے پاس اُن کے اصحاب میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا، اسے وہ واپس کر دیں گے۔“ اور کسی میں ہے: من اتی محمدًا من قریش بغیر اذن ولیّہ ردّہ علیہم

QuranUrdu.com

"قریش میں سے جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جائے گا، اسے وہ قریش کو واپس کر دیں گے۔" اِن روایات کا طرزِ بیان خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں معاہدے کی اِس شرط کو اُن الفاظ میں نقل نہیں کیا گیا ہے جو اصل معاہدے میں لکھے گئے تھے، بلکہ راویوں نے ان کا مفہُوم خود اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ بکثرت روایات اِسی نوعیت کی ہیں، اس لیے عام طور پر مفسّرین و محدّثین نے اس سے یہی سمجھا کہ معاہدہ عام تھا جس میں عورت مرد سب داخل تھے، اور عورتوں کو بھی اس کی رُو سے واپس ہونا چاہیے تھا۔ اس کے بعد جب اُن کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم آیا کہ مومن عورتیں واپس نہ کی جائیں تو اِن حضرات نے اِس کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں مومن عورتوں کی حد تک معاہدہ توڑ دینے کا فیصلہ فرما دیا۔ مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس کو اِس آسانی کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔ اگر معاہدہ فی الواقع بلا تخصیصِ مرد و زن سب کے لیے عام تھا تو آخر یہ کیسے جائز ہو سکتا تھا کہ ایک فریق اُس میں یک طرفہ ترمیم کر دے، یا اس کے کسی جُز کو بطورِ خود بدل ڈالے؟ اور بالفرض ایسا کیا بھی گیا تھا تو یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قریش کے لوگوں نے اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ قریش والے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ایک ایک بات پر گرفت کرنے کے لیے خار کھائے بیٹھے تھے۔ انھیں اگر یہ بات ہاتھ آ جاتی کہ آپؐ شرائطِ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کر گزرے ہیں تو وہ زمین و آسمان سر پر اُٹھا لیتے۔ لیکن ہمیں کسی روایت میں اِس کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ انھوں نے قرآن کے اِس فیصلے پر ذرّہ برابر بھی چُون و چَرا کی ہو۔ یہ ایسا سوال تھا جس پر غور کیا جاتا تو معاہدے کے اصل الفاظ کی جستجو کر کے اِس پیچیدگی کا حل تلاش کیا جاتا، مگر بہت سے لوگوں نے تو اس کی طرف توجہ نہ کی، اور بعض حضرات (مثلاً قاضی ابوبکر ابنِ عَرَبیؒ) نے توجہ کی بھی تو انھوں نے قریش کے اعتراض نہ کرنے کی یہ توجیہ تک کرنے میں تأمّل نہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ معجزہ اِس معاملے میں قریش کی زبان بندی کر دی تھی۔ تعجب ہے کہ اس توجیہ پر ان حضرات کا ذہن کیسے مطمئن ہُوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاہدۂ صلح کی یہ شرط مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ کفّارِ قریش کی طرف سے تھی، اور ان کی جانب سے ان کے نمایندے سُہیل بن عمرو نے جو الفاظ معاہدے میں لکھوائے تھے وہ یہ تھے: علی ان لا یاتیك منا رجل و ان کان علی دینك الا رددته الینا۔ "اور یہ کہ تمھارے پاس ہم میں سے کوئی مرد بھی آئے، اگرچہ وہ تمھارے دین ہی پر ہو، تم اسے ہماری طرف واپس کرو گے۔" معاہدے کے یہ الفاظ بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ میں قوی سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ سُہَیل نے رَجُل کا لفظ شخص کے معنیٰ میں استعمال کیا ہو، لیکن یہ اُس کی ذہنی مُراد ہوگی۔ معاہدے میں جو لفظ لکھا گیا تھا، وہ رَجُل ہی تھا، جو عربی زبان میں مرد کے لیے بولا جاتا ہے۔ اسی بنا پر جب اُمِّ کُلثومؓ بنتِ عُقبہَ کی واپسی کا مطالبہ لے کر ان کے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو (امام زُہریؒ کی رِوایت کے مطابق) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو واپس کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرمایا کہ کان الشرط فی الرجال دون النساء۔ "شرط مردوں کے بارے میں تھی نہ کہ عورتوں کے بارے میں۔" (احکام القرآن، ابنِ عَرَبیؒ۔ تفسیر کبیر، امام رازیؒ) اُس وقت تک خود قریش کے لوگ بھی اس غلط فہمی

QuranUrdu.com

میں تھے کہ معاہدے کا اطلاق ہر طرح کے مہاجرین پر ہوتا ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ مگر جب حضورؐ نے ان کو معاہدے کے اِن الفاظ کی طرف توجہ دلائی تو وہ دم بخود رہ گئے اور انھیں ناچار اس فیصلے کو ماننا پڑا۔

معاہدے کی اِس شرط کے لحاظ سے مسلمانوں کو حق تھا کہ جو عورت بھی مکّہ چھوڑ کر مدینے آتی، خواہ وہ کسی غرض سے آتی، اسے واپس دینے سے انکار کر دیتے۔ لیکن اسلام کو صرف مومن عورتوں کی حفاظت سے دلچسپی تھی، ہر طرح کی بھاگنے والی عورتوں کے لیے مدینۂ طَیِّبَہ کو پناہ گاہ بنانا مقصود نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور اپنے مومن ہونے کا اظہار کریں، ان سے پُوچھ گچھ کر کے اپنا اطمینان کرلو کہ وہ واقعی ایمان لے کر آئی ہیں، اور جب اس کا اطمینان ہو جائے تو ان کو واپس نہ کرو۔ چنانچہ اس ارشادِ الٰہی پر عمل درآمد کرنے کے لیے جو قاعدہ بنایا گیا، وہ یہ تھا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آتی تھیں ان سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا وہ اللہ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتی ہیں، اور صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر نکل کر آئی ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ شوہر سے بگڑ کر گھر سے نکل کھڑی ہوئی ہوں؟ یا ہمارے ہاں کے کسی مرد کی محبّت ان کو لے آئی ہو؟ یا کوئی اور دنیوی غرض ان کے اس فعل کی محرک ہوئی ہو؟ ان سوالات کا اطمینان بخش جواب جو عورتیں دے دیتی تھیں، صرف ان کو روک لیا جاتا تھا، باقی سب کو واپس کر دیا جاتا تھا۔ (ابنِ جَرِیر بحوالہ ابنِ عباسؓ، قَتَادَہ، مجاہد، عِکرِمَہ، ابنِ زید)

اِس آیت میں قانونِ شہادت کا بھی ایک اُصولی ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی مزید توضیح اُس طریق کار سے ہوگئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر عمل درآمد کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ آیت میں تین باتیں فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ ہجرت کرنے والی جو عورتیں اپنے آپ کو مومن ہونے کی حیثیت سے پیش کریں، ان کے ایمان کی جانچ کرو۔ دوسرے یہ کہ ان کے ایمان کی حقیقت کو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، تمھارے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں ایمان لائی ہیں۔ تیسرے یہ کہ جانچ پڑتال سے جب تمھیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں واپس نہ کرو۔ پھر اس حکم کے مطابق ان عورتوں کے ایمان کی جانچ کرنے کے لیے جو طریقہ حضورؐ نے مقرر فرمایا، وہ یہ تھا کہ ان عورتوں کے حلفیہ بیان پر اعتماد کیا جائے اور ضروری جرح کر کے یہ اطمینان کر لیا جائے کہ اُن کی ہجرت کا محرک ایمان کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اس سے اوّل تو یہ قاعدہ معلوم ہوا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے کے لیے عدالت کو حقیقت کا علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ صرف وہ علم کافی ہے جو شہادتوں سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ہم ایک شخص کے حلفیہ بیان پر اعتماد کریں گے، تاوقتیکہ کوئی صریح قرینہ اس کے کاذب ہونے پر دلالت نہ کر رہا ہو۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آدمی اپنے عقیدے اور ایمان کے متعلق خود جو خبر دے رہا ہو، ہم اسے قبول کریں گے اور اِس بات کی کھوج میں نہ پڑیں گے کہ فی الواقع اُس کا وہی عقیدہ ہے جو وہ بیان کر رہا ہے، اِلّا یہ کہ کوئی صریح علامت ہمارے سامنے ایسی ظاہر ہو جائے جو اس کی تردید کر رہی ہو۔ اور چوتھی بات یہ کہ ایک شخص کے جن ذاتی حالات کو دوسرا کوئی نہیں جان سکتا، اُن میں اُسی کے بیان پر بھروسا کیا جائے گا، مثلاً طلاق اور عدّت کے معاملات میں عورت کے حیض اور طُہر کے متعلق اس کا اپنا بیان ہی معتبر ہوگا،

QuranUrdu.com

وَ اٰتُوۡهُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ تَنۡكِحُوۡهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمۡسِكُوۡا بِعِصَمِ الۡكَوَافِرِ وَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ وَلۡيَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللّٰهِ ؕ

جو مہر اُن کو دیے تھے وہ انھیں پھیر دو۔ اور ان سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم اُن کے مہر اُن کو ادا کر دو[15]۔ اور تم خود بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رہو۔ جو مہر تم نے اپنی کافر بیویوں کو دیے تھے وہ تم واپس مانگ لو اور جو مہر کافروں نے اپنی مسلمان بیویوں کو دیے تھے انھیں وہ واپس مانگ لیں[16]۔ یہ اللہ کا حکم ہے،

خواہ وہ جھوٹ بولے یا سچ۔ اِنھی قواعد کے مطابق علمِ حدیث میں بھی اُن روایات کو قبول کیا جائے گا جن کے راویوں کا ظاہر حال ان کے راست باز ہونے کی شہادت دے رہا ہو، اِلّا یہ کہ کچھ دوسرے قرائن ایسے موجود ہوں جو کسی رِوایَت کے قبول میں مانع ہوں۔

۱۵- مطلب یہ ہے کہ اُن کے کافر شوہروں کو اُن کے جو مہر واپس کیے جائیں گے وہی اِن عورتوں کے مہر شمار نہ ہوں گے، بلکہ اب جو مسلمان بھی ان میں سے کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے وہ اُس کا مہر ادا کرے اور اس سے نکاح کر لے۔

۱۶- اِن آیات میں چار بڑے اہم حکم بیان کیے گئے ہیں، جن کا تعلق اسلام کے عائلی قانون سے بھی ہے اور بین الاقوامی قانون سے بھی:

اوّل یہ کہ جو عورت مسلمان ہو جائے، وہ اپنے کافر شوہر کے لیے حلال نہیں رہتی اور نہ کافر شوہر اس کے لیے حلال رہتا ہے۔

دوسرے یہ کہ جو منکوحہ عورت مسلمان ہو کر دار الکفر سے دار الاسلام میں ہجرت کر کے آئے اس کا نکاح آپ سے آپ ٹوٹ جاتا ہے، اور جو مسلمان بھی چاہے اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ جو مرد مسلمان ہو جائے، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کی بیوی اگر کافر رہے تو وہ اسے اپنے نکاح میں روکے رکھے۔

چوتھے یہ کہ اگر دار الکفر اور دار الاسلام کے درمیان صلح کے تعلقات موجود ہوں تو اسلامی حکومت کو دار الکفر کی حکومت سے یہ معاملہ طے کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ کفار کی جو منکوحہ عورتیں مسلمان ہو کر دار الاسلام میں ہجرت کر آئی ہوں، ان کے مہر مسلمانوں کی طرف سے واپس دے دیے جائیں، اور مسلمانوں کی منکوحہ کافر عورتیں

QuranUrdu.com

جو دار الکفر میں رہ گئی ہوں، ان کے مہر کفار کی طرف سے واپس مل جائیں۔

ان احکام کا تاریخی پَس منظر یہ ہے کہ آغازِ اسلام میں بکثرت مرد ایسے تھے جنھوں نے اسلام قبول کرلیا مگر ان کی بیویاں مسلمان نہ ہوئیں، اور بہت سی عورتیں ایسی تھیں جو مسلمان ہوگئیں مگر ان کے شوہروں نے اسلام قبول نہ کیا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص غیر مسلم تھے اور کئی سال تک غیر مسلم رہے۔ ابتدائی دَور میں ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ مسلمان عورت کے لیے اس کا کافر شوہر اور مسلمان مرد کے لیے اس کی مشرک بیوی حلال نہیں ہے۔ اس لیے ان کے درمیان اِزدِواجی رشتے برقرار رہے۔ ہجرت کے بعد بھی کئی سال تک یہ صورتِ حال رہی کہ بہت سی عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر آئیں اور ان کے کافر شوہر دار الکفر میں رہے۔ اور بہت سے مسلمان مرد ہجرت کر کے آ گئے اور ان کی کافر بیویاں دار الکفر میں رہ گئیں۔ مگر اس کے باوجود ان کے درمیان رشتۂ اِزدِواج قائم رہا۔ اس سے خاص طور پر عورتوں کے لیے بڑی پیچیدگی پیدا ہو رہی تھی، کیونکہ مرد تو دوسرے نکاح بھی کر سکتے تھے، مگر عورتوں کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ جب تک سابق شوہروں سے ان کا نکاح فسخ نہ ہو جائے، وہ کسی اور شخص سے نکاح کر سکیں۔ صلحِ حُدَیبیَّہ کے بعد جب یہ آیات نازل ہوئیں تو انھوں نے مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے درمیان سابق کے اِزدِواجی رشتوں کو ختم کر دیا اور آیندہ کے لیے ان کے بارے میں ایک قطعی اور واضح قانون بنا دیا۔ فقہائے اسلام نے اس قانون کو چار بڑے بڑے عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے:

ایک، وہ حالت جس میں زوجین دار الاسلام میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔

دوسرے، وہ حالت جس میں زوجین دار الکفر میں ہوں اور ان میں سے ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا کافر رہے۔

تیسرے، وہ حالت جس میں زوجین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو کر دار الاسلام میں ہجرت کر کے آ جائے اور دوسرا دار الکفر میں کافر رہے۔

چوتھے، وہ حالت جس میں مسلم زوجین میں سے کوئی ایک مرتد ہو جائے۔

ذیل میں ہم اِن چاروں حالتوں کے متعلق فقہا کے مسالک الگ الگ بیان کرتے ہیں:

(۱) پہلی صورت میں اگر اسلام شوہر نے قبول کیا ہو اور اس کی بیوی عیسائی یا یہودی ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے، تو دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا، کیونکہ مسلمان مرد کے لیے اہلِ کتاب بیوی جائز ہے۔ یہ امر تمام فقہا کے درمیان مُتَّفَق عَلَیہ ہے۔

اور اگر اسلام قبول کرنے والے مرد کی بیوی غیر اہلِ کتاب میں سے ہو اور وہ اپنے دین پر قائم رہے، تو حَنَفِیَّہ اس کے متعلق کہتے ہیں کہ عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، نہ قبول کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اس صورت میں اگر زوجین کے درمیان خَلوَت ہو چکی ہو تو عورت مہر کی مستحق ہو گی، اور خَلوَت نہ ہوئی ہو تو اس کو مہر پانے کا حق نہ ہو گا، کیونکہ فُرقَت اُس کے انکار کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔ (اَلمَبسُوط، ہِدایہ، فتح القدیر) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اگر زوجین کے

QuranUrdu.com

درمیان خَلْوَت نہ ہوئی ہو تو مرد کے اسلام قبول کرتے ہی عورت اس کے نکاح سے باہَر ہو جائے گی، اور اگر خَلْوَت ہو چکی ہو تو عورت تین مرتبہ ایّامِ ماہواری آنے تک اس کے نکاح میں رہے گی، اِس دوران میں وہ خود اپنی مرضی سے اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ تیسری بار ایّام سے فارغ ہوتے ہی آپ سے آپ فسخ ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ذِمّیوں کو اُن کے مذہب سے تعرُّض نہ کرنے کی جو ضمانت ہماری طرف سے دی گئی ہے، اس کی بنا پر یہ دُرست نہیں ہے کہ عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک کمزور بات ہے، کیونکہ ایک ذمّی عورت کے مذہب سے تعرُّض تو اس صورت میں ہو گا جب کہ اس کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اُس سے صرف یہ کہنا کوئی بے جا تعرُّض نہیں ہے کہ تُو اسلام قبول کر لے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکے گی، ورنہ تجھے اس سے الگ کر دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس کی نظیر پیش بھی آ چکی ہے۔ عراق کے ایک مجوسی زمیندار نے اسلام قبول کیا اور اس کی بیوی کافر رہی۔ حضرت علیؓ نے اس کے سامنے اسلام پیش فرمایا۔ اور جب اس نے انکار کیا تب آپ نے دونوں کے درمیان تفریق کرا دی۔ (اَلْمَبْسُوط) امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اگر خَلْوَت نہ ہو چکی ہو تو مرد کے اسلام لاتے ہی اس کی کافر بیوی اس سے فوراً جدا ہو جائے گی، اور اگر خَلْوَت ہو چکی ہو تو عورت کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، اور اس کے انکار کی صورت میں جدائی واقع ہو جائے گی۔ (اَلْمُغْنِی لابنِ قُدامہ)

اور اگر اسلام عورت نے قبول کیا ہو اور مرد کافر رہے، خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہو یا غیر اہلِ کتاب میں سے، تو حَنفِیَّہ کہتے ہیں کہ دونوں میں خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو، ہر صورت میں شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے گا، قبول کر لے تو عورت اس کے نکاح میں رہے گی، انکار کر دے تو قاضی دونوں میں تفریق کرا دے گا۔ اس دوران میں جب تک مرد اسلام سے انکار نہ کرے، عورت اس کی بیوی تو رہے گی مگر اس کو مقاربت کا حق نہ ہو گا۔ شوہر کے انکار کی صورت میں تفریق طلاقِ بائن کے حکم میں ہوگی۔ اگر اس سے پہلے خلوت نہ ہوئی ہو تو عورت نصف مہر پانے کی حق دار ہو گی، اور خلوت ہو چکی ہو تو عورت پورا مہر بھی پائے گی اور عدّت کا نَفَقَہ بھی۔ (اَلْمَبْسُوط، ہِدایہ، فتح القدیر) امام شافعیؒ کے نزدیک خَلْوَت نہ ہونے کی صورت میں عورت کے اسلام قبول کرتے ہی نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت ہونے کی صورت میں عدّت ختم ہونے تک عورت اس مرد کے نکاح میں رہے گی۔ اس مدّت کے اندر وہ اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدّت گزرتے ہی جُدائی واقع ہو جائے گی۔ لیکن مرد کے معاملے میں بھی امام شافعیؒ نے وہی رائے ظاہر کی ہے جو عورت کے معاملے میں اُوپر منقول ہوئی کہ اس کے سامنے اسلام پیش کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ مسلک بہت کمزور ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں متعدِّد واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ عورت نے اسلام قبول کر لیا اور مرد سے اسلام لانے کے لیے کہا گیا، اور جب اس نے انکار کر دیا تو دونوں کے درمیان تفریق کرا دی گئی۔ مثلاً بنی تَغْلِب کے ایک عیسائی کی بیوی کا معاملہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ انھوں نے مرد سے کہا: یا تو تُو اسلام قبول کر لے ورنہ مَیں تم دونوں کے درمیان تفریق کر دوں گا۔ اس نے انکار کیا اور آپ نے تفریق

QuranUrdu.com

کی ڈگری دے دی۔ بَہزُ الملِک کی ایک نومسلم زمیندارنی کا مُقدّمہ اُن کے پاس بھیجا گیا۔ اس کے معاملے میں بھی انھوں نے حکم دیا کہ اس کے شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، اگر وہ قبول کر لے تو بہتر، ورنہ دونوں میں تفریق کرا دی جائے۔ یہ واقعات صحابۂ کرامؓ کے سامنے پیش آئے تھے اور کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ (احکام القرآن للجصّاص، المبسوط، فتح القدیر) امام مالکؒ کی رائے اس معاملے میں یہ ہے کہ اگر خَلْوَت سے پہلے عورت مسلمان ہو جائے تو شوہر کے سامنے اسلام پیش کیا جائے، وہ قبول کر لے تو بہتر ورنہ فوراً تفریق کرا دی جائے۔ اور اگر خلوت ہو چکی ہو اور اس کے بعد عورت اسلام لائی ہو تو زمانۂ عدّت ختم ہونے تک انتظار کیا جائے، اس مدّت میں شوہر اسلام قبول کر لے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ عدّت گزرتے ہی فُرقَت واقع ہو جائے گی۔ امام احمدؒ کا ایک قول امام شافعیؒ کی تائید میں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ زوجین کے درمیان اختلافِ دین واقع ہو جانا بہرحال فوری تفریق کا موجب ہے، خواہ خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ (المُغنی)

(۲) دارالکفر میں اگر عورت مسلمان ہو جائے اور مرد کافر رہے، یا مرد مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی (جو عیسائی یا یہودی نہ ہو بلکہ کسی غیر کتابی مذہب کی ہو) اپنے مذہب پر قائم رہے، تو حَنَفِیَّہ کے نزدیک خواہ اُن کے درمیان خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، تفریق واقع نہ ہو گی جب تک عورت کو تین مرتبہ ایّامِ ماہواری نہ آ جائیں، یا اس کے غیر حائضہ ہونے کی صورت میں تین مہینے نہ گزر جائیں۔ اس دوران میں اگر دوسرا فریق بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، ورنہ یہ مدّت گزرتے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ اس معاملے میں بھی خلوت اور عَدَم خلوت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو زوجین کے درمیان دین کا اختلاف واقع ہوتے ہی فُرقَت ہو جائے گی، اور اگر خلوت ہو جانے کے بعد دین کا اختلاف رُونما ہُوا ہو تو عدّت کی مدّت ختم ہونے تک ان کا نکاح باقی رہے گا۔ اِس دوران میں اگر دوسرا فریق اسلام قبول نہ کرے تو عدّت ختم ہونے کے ساتھ ہی نکاح بھی ختم ہو جائے گا۔ (المبسوط، فتح القدیر، احکام القرآن للجصّاص)

(۳) جس صورت میں زوجین کے درمیان اختلافِ دین کے ساتھ اختلافِ دار بھی واقع ہو جائے، یعنی ان میں سے کوئی ایک دارالکفر میں کافر رہے اور دوسرا دارالاسلام کی طرف ہجرت کر جائے، اس کے متعلق حَنَفِیَّہ کہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان نکاح کا تعلق آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ اگر ہجرت کرنے والی عورت ہو تو اسے فوراً دوسرا نکاح کر لینے کا حق حاصل ہے، اس پر کوئی عدّت نہیں ہے، البتہ مقاربت کے لیے اس کے شوہر کو اِسْتِبرائے رحم کی خاطر ایک مرتبہ ایّامِ ماہواری آ جانے تک انتظار کرنا ہوگا، اور اگر وہ حاملہ ہو تب بھی نکاح ہو سکتا ہے، مگر مقاربت کے لیے وضعِ حمل تک انتظار کرنا ہوگا۔ امام ابو یُوسُفؒ اور امام محمدؒ نے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ سے صرف اتنا اختلاف کیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت پر عدّت لازم ہے، اور اگر وہ حاملہ ہو تو وضعِ حمل سے پہلے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ (المبسوط، ہدایہ، احکام القرآن للجصّاص) امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ اختلافِ دار کا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ اصل چیز صرف اختلافِ دین ہے۔ یہ اختلاف اگر زوجین میں واقع ہو جائے تو احکام وہی ہیں جو دارالاسلام میں زوجین کے درمیان یہ اختلاف واقع ہونے کے احکام ہیں۔ (المُغنی) امام شافعیؒ اپنی مذکورۂ بالا

QuranUrdu.com

رائے کے ساتھ ساتھ ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورت کے معاملے میں یہ رائے بھی ظاہر کرتے ہیں کہ اگر وہ اپنے کافر شوہر سے لڑ کر اس کے حقِ زوجیت کو ساقط کرنے کے ارادے سے آئی ہو تو اختلافِ دار کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے اِس قصد کی بنا پر فوراً فُرقت واقع ہو جائے گی۔ (المبسوط وہدایہ)

لیکن قرآنِ مجید کی زیرِ بحث آیت پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس معاملے میں صحیح ترین رائے وہی ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے ظاہر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ہجرت کر کے آنے والی مومن عورتوں ہی کے بارے میں نازل فرمائی ہے، اور انھی کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے اُن کافر شوہروں کے لیے حلال نہیں رہیں جنھیں وہ دارالکفر میں چھوڑ آئی ہیں، اور دارالاسلام کے مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ ان کے مہر ادا کر کے ان سے نکاح کر لیں۔ دوسری طرف مہاجر مسلمانوں سے خطاب کر کے یہ فرمایا ہے کہ اپنی اُن کافر بیویوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو جو دارالکفر میں رہ گئی ہیں، اور کفّار سے اپنے وہ مہر واپس مانگ لو جو تم نے ان عورتوں کو دیے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف اختلافِ دین ہی کے احکام نہیں ہیں، بلکہ اِن احکام کو جس چیز نے یہ خاص شکل دے دی ہے، وہ اختلافِ دار ہے۔ اگر ہجرت کی بنا پر مسلمان عورتوں کے نکاح اُن کے کافر شوہروں سے ٹوٹ نہ گئے ہوتے تو مسلمانوں کو اُن سے نکاح کر لینے کی اجازت کیسے دی جا سکتی تھی، اور وہ بھی اِس طرح کہ اِس اجازت میں عدّت کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔ اسی طرح اگر لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ کا حکم آ جانے کے بعد بھی مسلمان مہاجرین کی کافر بیویاں ان کے نکاح میں باقی رہ گئی ہوتیں تو ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دیا جاتا کہ انھیں طلاق دے دو۔ مگر یہاں اُس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ اس آیت کے نُزول کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے مہاجرین نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تھی۔ مگر یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اُن کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، اور ان بیویوں کے ساتھ تعلقِ زوجیت کا انقطاع اُن کے طلاق دینے پر موقوف تھا، اور اگر وہ طلاق نہ دیتے تو وہ بیویاں اُن کے نکاح میں باقی رہ جاتیں۔

اس کے جواب میں عہدِ نبویؐ کے تین واقعات کی نظیریں پیش کی جاتی ہیں، جن کو اس امر کا ثبوت قرار دیا جاتا ہے کہ اِن آیات کے نُزول کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اختلافِ دار کے باوجود مومن اور کافر زوجین کے درمیان نکاح کا تعلق برقرار رکھا۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ فتحِ مکہ سے ذرا پہلے ابوسُفیان مَرُّالظَّہران (موجودہ وادیِ فاطمہ) کے مقام پر لشکرِ اسلام میں آئے اور یہاں انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور اُن کی بیوی ہِند مکّے میں کافر رہیں۔ پھر فتحِ مکّہ کے بعد ہِند نے اسلام قبول کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تجدیدِ نکاح کے بغیر ہی اُن کو سابق نکاح پر برقرار رکھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ فتحِ مکہ کے بعد عِکرِمَہ بن ابی جہل اور حکیم بن حِزَام مکّے سے فرار ہو گئے اور ان کے پیچھے دونوں کی بیویاں مسلمان ہو گئیں۔ پھر انھوں نے حضورؐ سے اپنے شوہروں کے لیے امان لے لی اور جا کر اُن کو لے آئیں۔ دونوں اصحاب نے حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کے بھی سابق نکاحوں کو برقرار رکھا۔ تیسرا واقعہ حضورؐ کی اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا ہے جو ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئی تھیں اور ان کے شوہر ابوالعاص

QuranUrdu.com

بحالتِ کفر مکّہ ہی میں مقیم رہ گئے تھے۔ ان کے متعلق مُسندِاحمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابنِ ماجہ میں ابنِ عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ وہ ۸ھ میں مدینے آکر مسلمان ہوئے اور حضورؐ نے تجدیدِ نکاح کے بغیر سابق نکاح ہی پر صاحبزادی کو ان کی زوجیت میں رہنے دیا۔لیکن ان میں سے پہلے دو واقعے تو درحقیقت اختلافِ دار کی تعریف ہی میں نہیں آتے، کیونکہ اختلافِ دار اِس چیز کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص عارضی طور پر ایک دار سے دوسرے دار کی طرف چلا گیا یا فرار ہو گیا، بلکہ یہ اختلاف صرف اُس صورت میں واقع ہوتا ہے جب کوئی آدمی ایک دار سے منتقل ہو کر دوسرے دار میں آباد ہو جائے، اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان موجودہ زمانے کی اصطلاح کے مطابق ''قومیّت'' (nationality) کا فرق واقع ہو جائے۔ رہا سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کا معاملہ، تو اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت ابنِ عباسؓ کی ہے جس کا حوالہ اُوپر دیا گیا ہے، اور دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عَمْرؓو بن عاص کی ہے، جس کو امام احمد، ترمذی اور ابنِ ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اس دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادی کو جدید نکاح اور جدید مہر کے ساتھ پھر ابوالعاصؓ ہی کی زوجیّت میں دے دیا۔ اس اختلافِ روایت کی صورت میں اوّل تو یہ نظیر اُن حضرات کے لیے قطعی دلیل نہیں رہتی جو اختلافِ دار کی قانونی تاثیر کا انکار کرتے ہیں۔ دوسرے، اگر وہ ابنِ عباسؓ ہی کی روایت کے صحیح ہونے پر اصرار کریں تو یہ اُن کے مسلک کے خلاف پڑتی ہے۔ کیونکہ اُن کے مسلک کی رُو سے تو جن میاں بیوی کے درمیان اختلافِ دین واقع ہو گیا ہو اور وہ باہم خلوت کر چکے ہوں، اُن کا نکاح عورت کو صرف تین مرتبہ ایّامِ ماہواری آنے تک باقی رہتا ہے، اِس دوران میں دوسرا فریق اسلام قبول کر لے تو زوجیت قائم رہتی ہے، ورنہ تیسری بار ایّام آتے ہی نکاح آپ سے آپ فسخ ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت زینبؓ کے جس واقعے سے وہ اِستدلال کرتے ہیں، اس میں زوجین کے درمیان اختلافِ دین واقع ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، حضرت زینبؓ کی ہجرت کے چھ سال بعد ابوالعاصؓ ایمان لائے تھے، اور ان کے ایمان لانے سے کم از کم دو سال پہلے قرآن میں وہ حکم نازل ہو چکا تھا جس کی رُو سے مسلمان عورت مشرکین پر حرام کر دی گئی تھی۔

(۴) چوتھا مسئلہ ارتداد کا ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں، اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک مرتد ہو اور دوسرا مسلمان رہے۔

اگر زوجین ایک ساتھ مرتد ہو جائیں تو شافعیہ اور حَنابلہ کہتے ہیں کہ خَلْوَت سے پہلے ایسا ہو تو فوراً، اور خلوت کے بعد ہو تو عدّت کی مدّت ختم ہوتے ہی دونوں کا وہ نکاح ختم ہو جائے گا جو حالتِ اسلام میں ہوا تھا۔ اس کے برعکس حَنَفِیَّہ کہتے ہیں کہ اگرچہ قیاس یہی کہتا ہے کہ ان کا نکاح فسخ ہو جائے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو فتنۂ ارتداد برپا ہوا تھا، اس میں ہزارہا آدمی مرتد ہوئے، پھر مسلمان ہو گئے، اور صحابۂ کرامؓ نے کسی کو بھی تجدیدِ نکاح کا حکم نہیں دیا، اس لیے ہم صحابہؓ کے مُتّفَقہ فیصلے کو قبول کرتے ہوئے خلافِ قیاس یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ زوجین کے ایک ساتھ مرتد ہونے کی صورت میں ان کے نکاح نہیں ٹوٹتے۔ (المبسوط، ہِدایہ، فتح القدیر، الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

QuranUrdu.com

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ
اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ
مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور اگر تمھاری کافر بیویوں کے مَہروں میں سے کچھ تمھیں کفّار سے واپس نہ ملے اور پھر تمھاری نوبت آئے تو جن لوگوں کی بیویاں اُدھر رہ گئی ہیں اُن کو اُتنی رقم ادا کر دو جو اُن کے دیے ہوئے مَہروں کے برابر ہو۔[۱۷] اور اُس خدا سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اگر شوہر مرتد ہو جائے اور عورت مسلمان رہے، تو حَنَفِیَّہ اور مالکیہ کے نزدیک فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا، خواہ ان کے درمیان پہلے خلوت ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ لیکن شافعیہ اور حنابلہ اس میں خَلْوَت سے پہلے اور خلوت کے بعد کی حالت کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ اگر خلوت سے پہلے ایسا ہوا ہو تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خلوت کے بعد ہوا ہو تو زمانۂ عدّت تک باقی رہے گا، اِس دوران میں وہ شخص مسلمان ہو جائے تو زوجیت برقرار رہے گی، ورنہ عدّت ختم ہوتے ہی اس کے ارتداد کے وقت سے نکاح فسخ شدہ شمار کیا جائے گا، یعنی عورت کو پھر کوئی نئی عدّت گزارنی نہ ہوگی۔ چاروں فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ خَلْوَت سے پہلے یہ معاملہ پیش آیا ہو تو عورت کو نصف مہر، اور خلوت کے بعد پیش آیا تو پُورا مَہر پانے کا حق ہوگا۔

اور اگر عورت مرتد ہو گئی ہو تو حَنَفِیَّہ کا قدیم فتویٰ یہ تھا کہ اِس صورت میں بھی نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا، لیکن بعد کے دَور میں علمائے بَلْخ و سمرقند نے یہ فتویٰ دیا کہ عورت کے مرتد ہونے سے فوراً فُرقَت واقع نہیں ہوتی، اور اِس سے ان کا مقصد اِس امر کی روک تھام کرنا تھا کہ شوہروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے عورتیں کہیں ارتداد کا راستہ اختیار نہ کرنے لگیں۔ مالکیہ کا فتویٰ بھی اِس سے ملتا جُلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر قرائن یہ بتا رہے ہوں کہ عورت نے محض شوہر سے علیحدگی حاصل کرنے کے لیے بطورِ حیلہ ارتداد اختیار کیا ہے تو فُرقَت واقع نہ ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں بھی قانون وہی ہے جو مرد کے ارتداد کی صورت میں ہے، یعنی خَلْوَت سے پہلے مرتد ہو تو فوراً نکاح فسخ ہو جائے گا، اور خَلْوَت کے بعد ہو تو زمانۂ عدّت گزرنے تک نکاح باقی رہے گا، اِس دوران میں وہ مسلمان ہو جائے تو زوجیت کا رشتہ برقرار رہے گا، ورنہ عدت گزرتے ہی نکاح وقتِ ارتداد سے فسخ شمار ہوگا۔ مہر کے بارے میں یہ امر مُتَّفَق عَلَیہ ہے کہ خلوت سے پہلے اگر عورت مرتد ہوئی ہے تو اسے

QuranUrdu.com

کوئی مہر نہ ملے گا، اور اگر خَلْوَت کے بعد اس نے ارتداد اختیار کیا ہو تو وہ پورا مہر پائے گی۔ (المبسوط، ہِدایہ، فتح القدیر، المُغنی، الفقہ علی المذاہب الاربعہ)

۱۷۔ اس معاملے کی دو صورتیں تھیں اور اس آیت کا انطباق دونوں صورتوں پر ہوتا ہے:

ایک صورت یہ تھی کہ جن کفار سے مسلمانوں کے مُعاہدانہ تعلقات تھے ان سے مسلمانوں نے یہ معاملہ طے کرنا چاہا کہ جو عورتیں ہجرت کر کے ہماری طرف آ گئی ہیں، اُن کے مہر ہم واپس کر دیں گے، اور ہمارے آدمیوں کی جو کافر بیویاں اُدھر رہ گئی ہیں اُن کے مہر تم واپس کر دو۔ لیکن انھوں نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ چنانچہ امام زُہریؒ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان اُن عورتوں کے مہر واپس دینے کے لیے تیار ہو گئے جو مشرکین کے پاس مکّے میں رہ گئی تھیں، مگر مشرکوں نے اُن عورتوں کے مہر واپس دینے سے انکار کر دیا جو مسلمانوں کے پاس ہجرت کر کے آ گئی تھیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مہاجر عورتوں کے جو مہر تمھیں مشرکین کو واپس کرنے ہیں وہ ان کو بھیجنے کے بجائے مدینے ہی میں جمع کر لیے جائیں، اور جن لوگوں کو مشرکین سے اپنے دیے ہوئے مہر واپس لینے ہیں اُن میں سے ہر ایک کو اتنی رقم دے دی جائے جو اُسے کفار سے وصول ہونی چاہیے تھی۔

دوسری صورت یہ تھی کہ جن کفار سے مسلمانوں کے معاہدانہ تعلقات نہ تھے، اُن کے علاقوں سے بھی متعدِّد آدمی اسلام قبول کر کے دار الاسلام میں آ گئے تھے اور اُن کی کافر بیویاں وہاں رہ گئی تھیں۔ اسی طرح بعض عورتیں بھی مسلمان ہو کر ہجرت کر آئی تھیں اور ان کے کافر شوہر وہاں رہ گئے تھے۔ ان کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ دار الاسلام ہی میں اَدلے کا بدلہ چُکا دیا جائے۔ جب کفار سے کوئی مہر واپس نہیں ملنا ہے تو انھیں بھی کوئی مہر واپس نہ کیا جائے۔ اِس کے بجائے جو عورت اِدھر آ گئی ہے، اس کے بدلے کا مہر اُس شخص کو ادا کر دیا جائے جس کی بیوی اُدھر رہ گئی ہے۔

لیکن اگر اِس طرح حساب برابر نہ ہو سکے، اور جن مسلمانوں کی بیویاں اُدھر رہ گئی ہیں اُن کے وصول طلب مہر ہجرت کر کے آنے والی مسلمان عورتوں کے مہروں سے زیادہ ہوں، تو حکم دیا گیا کہ اُس مالِ غنیمت سے باقی رقمیں ادا کر دی جائیں جو کفّار سے لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے ہوں۔ ابنِ عباسؓ کی روایت ہے کہ جس شخص کے حصّے کا مہر وصول طلب رہ جاتا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم دیتے تھے کہ اس کے نقصان کی تلافی مالِ غنیمت سے کر دی جائے۔ (ابن جَریر) اسی مسلک کو عطاء، مجاہد، زُہری، مَسْرُوق، ابراہیم نَخَعی، قَتَادہ، مُقاتِل اور ضَحّاک نے اختیار کیا ہے۔ یہ سب حضرات کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے مہر کفّار کی طرف رہ گئے ہوں، ان کا بدلہ کفار سے ہاتھ آئے ہوئے مجموعی مالِ غنیمت میں سے ادا کیا جائے، یعنی تقسیم غنائم سے پہلے ان لوگوں کے فوت شدہ مہر ان کو دے دیے جائیں اور اس کے بعد تقسیم ہو، جس میں وہ لوگ بھی دوسرے سب مجاہدین کے ساتھ برابر کا حصّہ پائیں۔ بعض فقہا یہ بھی کہتے ہیں کہ صرف اموالِ غنیمت ہی نہیں، اموالِ فَے میں سے بھی ایسے لوگوں کے نقصان کی تلافی کی جا سکتی ہے۔ لیکن اہلِ علم کے ایک بڑے گروہ نے اس مسلک کو قبول نہیں کیا ہے۔

QuranUrdu.com

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْرِقْنَ وَ لَا يَزْنِيْنَ وَ لَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ

اے نبیؐ! جب تمھارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں[18] اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی[19]، زِنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی[20]، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی[21]، اور کسی امرِ معروف میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی[22]، تو ان سے بیعت لے لو[23] اور اُن کے حق میں اللہ سے دُعائے مغفرت کرو،

۱۸ — جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ آیت فتحِ مکّہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد جب مکّہ فتح ہوا تو قریش کے لوگ جُوق دَر جُوق حضورؐ سے بیعت کرنے کے لیے حاضر ہونے لگے۔ آپؐ نے مَردوں سے کوہِ صفا پر خود بیعت لی اور حضرت عمرؓ کو اپنی طرف سے مامور فرمایا کہ وہ عورتوں سے بیعت لیں اور اُن باتوں کا اقرار کرائیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں۔ (ابنِ جَرِیر بروایتِ ابنِ عباسؓ۔ ابنِ ابی حاتم بروایتِ قَتادہ) پھر مدینہ واپس تشریف لے جا کر آپؐ نے ایک مکان میں انصار کی خواتین کو جمع کرنے کا حکم دیا اور حضرت عمرؓ کو ان سے بیعت لینے کے لیے بھیجا۔ (ابنِ جَرِیر، ابنِ مَرْدُوْیَہ، بزّار، ابنِ حِبّان، بروایتِ اُمّ عَطِیّہ انصاریہؓ) عید کے روز بھی مردوں کے درمیان خطبہ دینے کے بعد آپؐ عورتوں کے مجمع کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں اپنے خطبے کے دوران میں آپؐ نے یہ آیت تلاوت کر کے اِن باتوں کا عہد لیا جو اس آیت میں مذکور ہوئی ہیں۔ (بخاری، بروایتِ ابنِ عباسؓ) اِن مواقع کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں عورتیں فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرتی رہیں، جن کا ذکر متعدّد احادیث میں آیا ہے۔

۱۹ — مکّۂ معظّمہ میں جب عورتوں سے بیعت لی جا رہی تھی اُس وقت حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہِندؓ بنتِ عُتبہ نے اس حکم کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضورؐ سے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ابوسُفیان ذرا بخیل آدمی ہیں، کیا میرے اُوپر اِس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور اپنے بچّوں کی ضروریات کے لیے ان سے پُوچھے بغیر ان کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں؟'' آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، مگر بس معروف کی حد تک۔'' یعنی بس اُتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لیے کافی ہو۔ (احکام القرآن، ابنِ عَرَبی)

QuranUrdu.com

۲۰ – اس میں اِسقاطِ حمل بھی شامل ہے، خواہ وہ جائز حمل کا اِسقاط ہو یا ناجائز حمل کا۔

۲۱ – اس سے دو قسم کے بہتان مراد ہیں: ایک یہ کہ کوئی عورت دوسری عورتوں پر غیر مردوں سے آشنائی کی تہمتیں لگائے اور اس طرح کے قصّے لوگوں میں پھیلائے، کیونکہ عورتوں میں خاص طور پر اِن باتوں کے چرچے کرنے کی بیماری پائی جاتی ہے۔ دوسرا یہ کہ ایک عورت بچہ تو کسی کا جنے اور شوہر کو یقین دلائے کہ یہ تیرا ہی ہے۔ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ’’جو عورت کسی خاندان میں کوئی ایسا بچہ گُھسا لائے جو اُس خاندان کا نہیں ہے، اس کا اللہ سے کوئی واسطہ نہیں، اور اللہ اُسے کبھی جنت میں داخل نہ کرے گا۔‘‘

۲۲ – اِس مختصر سے فقرے میں دو بڑے اہم قانونی نِکات بیان کیے گئے ہیں:

پہلا نکتہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر بھی اطاعت فی المعروف کی قید لگائی گئی ہے، حالانکہ حضورؐ کے بارے میں اِس امر کے کسی ادنیٰ شبہے کی گنجایش بھی نہ تھی کہ آپؐ کبھی مُنکَر کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔ اس سے خود بخود یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا میں کسی مخلوق کی اطاعت قانونِ خداوندی کے حُدود سے باہر جا کر نہیں کی جا سکتی، کیونکہ جب خدا کے رسولؐ تک کی اطاعت معروف کی شرط سے مشروط ہے، تو پھر کسی دوسرے کا یہ مقام کہاں ہو سکتا ہے کہ اسے غیر مشروط اطاعت کا حق پہنچے اور اس کے کسی ایسے حکم یا قانون یا ضابطے اور رسم کی پیروی کی جائے جو قانونِ خداوندی کے خلاف ہو۔ اِس قاعدے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: لا طاعة فی معصية اللّٰه، انما الطاعة فی المعروف۔ ’’اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف معروف میں ہے۔‘‘ (مسلم، ابوداؤد، نَسائی) یہی مضمون اکابرِ اہلِ علم نے اس آیت سے مُستَنبَط کیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں:

> ’’اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ تمھاری نافرمانی نہ کریں، بلکہ فرمایا یہ ہے کہ وہ معروف میں تمھاری نافرمانی نہ کریں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی تک کی اطاعت کو اس شرط سے مشروط کیا ہے تو کسی اور شخص کے لیے یہ کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ معروف کے سوا کسی معاملے میں اس کی اطاعت کی جائے۔‘‘ (ابنِ جَریر)

امام ابوبکر جَصّاصؒ لکھتے ہیں:

> ’’اللہ کو معلوم تھا کہ اُس کا نبی کبھی معروف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا، پھر بھی اس نے اپنے نبی کی نافرمانی سے منع کرتے ہوئے معروف کی شرط لگا دی، تا کہ کوئی شخص کبھی اس امر کی گنجایش نہ نکال سکے کہ ایسی حالت میں بھی سلاطین کی اطاعت کی جائے جب کہ اُن کا حکم اللہ کی اطاعت میں نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ من اطاع مخلوقًا فی معصية الخالق سلّط اللّٰه عليه ذٰلك المخلوق، یعنی جو شخص خالق کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ اس پر

QuranUrdu.com

اُسی مخلوق کو مسلّط کر دیتا ہے۔'' (احکام القرآن)

علامہ آلُوسیؒ فرماتے ہیں:

''یہ ارشاد اُن جاہلوں کے خیال کی تردید کرتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ اُولی الامر کی اطاعت مُطلَقاً لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو رسول کی اطاعت پر بھی معروف کی قید لگا دی ہے، حالانکہ رسول کبھی معروف کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔ اس سے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے کہ خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت جائز نہیں ہے۔'' (رُوح المعانی)

پس درحقیقت یہ ارشاد اسلام میں قانون کی حکمرانی (rule of law) کا سنگِ بنیاد ہے۔ اُصولی بات یہ ہے کہ ہر کام جو اسلامی قانون کے خلاف ہو، جُرم ہے، اور کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ ایسے کسی کام کا کسی کو حکم دے۔ جو شخص بھی خلافِ قانون حکم دیتا ہے وہ خود مجرم ہے، اور جو شخص اس حکم کی تعمیل کرتا ہے وہ بھی مُجرم ہے۔ کوئی ماتحت اِس عذر کی بنا پر سزا سے نہیں بچ سکتا کہ اس کے افسرِ بالا نے اسے ایک ایسے فعل کا حکم دیا تھا جو قانون میں جُرم ہے۔

دوسری بات جو آئینی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہ ہے کہ اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے، اور وہ یہ کہ تمام نیک کاموں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کی اطاعت کی جائے گی۔ جہاں تک بُرائیوں کا تعلّق ہے، وہ بڑی بڑی بُرائیاں گِنا دی گئیں جن میں زمانۂ جاہلیّت کی عورتیں مبتلا تھیں اور ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا، مگر جہاں تک بھلائیوں کا تعلق ہے اُن کی کوئی فہرست دے کر عہد نہیں لیا گیا کہ تم فُلاں فُلاں اعمال کرو گی، بلکہ صرف یہ عہد لیا گیا کہ جس نیک کام کا بھی حضورؐ حکم دیں گے، اس کی پیروی تمھیں کرنی ہوگی۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ نیک اعمال صرف وہی ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں دیا ہے تو عہد اِن الفاظ میں لیا جانا چاہیے تھا کہ ''تم اللہ کی نافرمانی نہ کرو گی'' یا یہ کہ ''تم قرآن کے احکام کی نافرمانی نہ کرو گی''۔ لیکن جب عہد اِن الفاظ میں لیا گیا کہ ''جس نیک کام کا حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دیں گے، تم اس کی خلاف ورزی نہ کرو گی''، تو اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ معاشرے کی اصلاح کے لیے حضورؐ کو وسیع ترین اختیارات دیے گئے ہیں اور آپؐ کے تمام احکام واجب الاطاعت ہیں، خواہ وہ قرآن میں موجود ہوں یا نہ ہوں۔

اِسی آئینی اختیار کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیعت لیتے ہوئے اُن بہت سی بُرائیوں کے چھوڑنے کا عہد لیا جو اُس وقت عرب معاشرے کی عورتوں میں پھیلی ہوئی تھیں، اور متعدّد ایسے احکام دیے جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں۔ اس کے لیے حسبِ ذیل احادیث مُلاحَظہ ہوں:

ابنِ عباسؓ، اُمِّ سَلمہؓ اور اُمِّ عَطِیّہؓ انصاریہ وغیرہ کی روایات ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ عہد لیا کہ وہ مرنے والوں پر نوحہ نہ کریں گی۔ یہ روایات بخاری، مسلم، نَسائی اور ابنِ جَریر نے نقل کی ہیں۔

QuranUrdu.com

ابنِ عباسؓ کی ایک روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو عورتوں سے بیعت لینے کے لیے مامور کیا اور حکم دیا کہ ان کو نوحہ کرنے سے منع کریں، کیونکہ زمانۂ جاہلیّت میں عورتیں مرنے والوں پر نوحہ کرتے ہوئے کپڑے پھاڑتی تھیں، منہ نوچتی تھیں، بال کاٹتی تھیں اور سخت واویلا مچاتی تھیں۔ (ابنِ جَریر)

زید بن اسلمؒ روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے بیعت لیتے وقت عورتوں کو اس سے منع کیا کہ وہ مرنے والوں پر نوحہ کرتے ہوئے اپنے منہ نوچیں اور گریبان پھاڑیں اور واویلا کریں اور شعر گا گا کر بَین کریں۔ (ابنِ جریر) اسی کی ہم معنیٰ ایک روایت ابنِ ابی حاتم اور ابنِ جَریر نے ایک ایسی خاتون سے نقل کی ہے جو بیعت کرنے والیوں میں شامل تھیں۔

قتَادَہ اور حَسَن بصری رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ جو عہد حضورؐ نے بیعت لیتے وقت عورتوں سے لیے تھے، ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ غیر محرم مَردوں سے بات نہ کریں گی۔ ابنِ عباسؓ کی روایت میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ غیر مردوں سے تخلیے میں بات نہ کریں گی۔ قتَادَہؒ نے مزید وضاحت یہ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سُن کر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عَوف نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم گھر پر نہیں ہوتے اور ہمارے ہاں کوئی صاحب ملنے آجاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میری مراد یہ نہیں ہے۔ یعنی عورت کا کسی آنے والے سے اتنی بات کہہ دینا ممنوع نہیں ہے کہ صاحبِ خانہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ (یہ روایات ابنِ جریر اور ابنِ ابی حاتم نے نقل کی ہیں)۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ اُمَیمہؓ بنت رُقَیقَہ سے حضرت عبداللہؓ بن عَمرو بن العاص نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ عہد لیا کہ نَوحہ نہ کرنا اور جاہلیّت کے سے بناؤ سنگھار کرکے اپنی نمایش نہ کرنا۔ (مُسنَدِ احمد، ابنِ جَریر)

حضورؐ کی ایک خالہ سلمیٰؓ بنتِ قَیس کہتی ہیں کہ مَیں انصار کی چند عورتوں کے ساتھ بیعت کے لیے حاضر ہوئی تو آپؐ نے قرآن کی اِس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا، پھر فرمایا: ولا تغششن ازواجکن ''اپنے شوہروں سے دھوکے بازی نہ کرنا۔'' جب ہم واپس ہونے لگیں تو ایک عورت نے مجھ سے کہا کہ جا کر حضورؐ سے پوچھو: شوہروں سے دھوکے بازی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ مَیں نے جا کر پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: تاخذ ماله فتحابی غیرہ ''یہ کہ تو اُس کا مال لے اور دوسروں پر لُٹائے۔'' (مُسنَدِ احمد)

اُمِّ عَطِیہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے بیعت لینے کے بعد ہمیں حکم دیا کہ ہم عیدین کی جماعت میں حاضر ہوا کریں گی، البتہ جمعہ ہم پر فرض نہیں ہے، اور جنازوں کے ساتھ جانے سے ہمیں منع فرما دیا۔ (ابنِ جَریر)

جو لوگ حضورؐ کے اِس آئینی اختیار کو آپؐ کی حیثیتِ رسالت کے بجائے حیثیتِ امارت سے متعلّق قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؐ چونکہ اپنے وقت کے حکمراں بھی تھے، اس لیے اپنی اِس حیثیت میں آپؐ نے جو احکام دیے وہ صرف آپؐ کے زمانے تک ہی واجب الاطاعت تھے، وہ بڑی جہالت کی بات کہتے ہیں۔ اُوپر کی سُطور میں ہم نے حضورؐ کے جو احکام نقل کیے ہیں، ان پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ ان میں عورتوں کی اصلاح کے لیے جو ہدایات آپؐ نے دی ہیں، وہ اگر محض حاکمِ وقت ہونے کی حیثیت سے ہوتیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پُوری دنیا کے مسلم معاشرے کی عورتوں میں یہ اصلاحات کیسے رائج ہو سکتی تھیں؟ آخر دنیا کا وہ کون سا حاکم ہے جس کو یہ مرتبہ حاصل ہو کہ ایک مرتبہ اس کی زبان سے ایک حکم صادر

QuranUrdu.com

ہو اور رُوئے زمین پر جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں، وہاں کے مسلم معاشرے میں ہمیشہ کے لیے وہ اصلاح رائج ہو جائے جس کا حکم اُس نے دیا ہے؟ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد پنجم، تفسیر سورۂ حشر، حاشیہ ۱۵)

۲۳ – معتبر اور متعدّد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ مَردوں کی بیعت سے مختلف تھا۔ مردوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ بیعت کرنے والے آپؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد کرتے تھے۔ لیکن عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آپؐ نے کبھی کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں نہیں لیا، بلکہ مختلف دوسرے طریقے اختیار فرمائے۔ اس کے بارے میں جو روایات منقول ہوئی ہیں، وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''خدا کی قسم! بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ کبھی کسی عورت کے ہاتھ سے چھُوا تک نہیں ہے۔ آپؐ عورت سے بیعت لیتے ہوئے بس زبانِ مبارک سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے تجھ سے بیعت لی۔'' (بخاری، ابنِ جَریر)

اُمَیمہؓ بنت رُقَیقَہ کا بیان ہے کہ مَیں اور چند عورتیں حضورؐ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئیں اور آپؐ نے قرآن کی اِس آیت کے مطابق ہم سے عہد لیا۔ جب ہم نے کہا: ''ہم معروف میں آپؐ کی نافرمانی نہ کریں گی'' تو آپؐ نے فرمایا: فیما استطعْتُنّ واطقتُنّ، ''جہاں تک تمھارے بس میں ہو اور تمھارے لیے ممکن ہو۔'' ہم نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسولؐ ہمارے لیے خود ہم سے بڑھ کر رحیم ہیں۔'' پھر ہم نے عرض کیا: ''یا رسولؐ اللہ! ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم آپؐ سے بیعت کریں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''مَیں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا، بس میں تم سے عہد لوں گا۔'' چنانچہ آپؐ نے عہد لے لیا۔ ایک اور رِوایت میں ان کا بیان ہے کہ آپؐ نے ہم میں سے کسی عورت سے بھی مصافحہ نہیں کیا۔ (مُسنَدِ احمد، تِرْمِذِی، نَسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ جَریر، ابنِ ابی حاتم)

ابوداؤد نے مَراسیل میں شَعْبیؒ کی روایت نقل کی ہے کہ عورتوں سے بیعت لیتے وقت ایک چادر حضورؐ کی طرف بڑھائی گئی۔ آپؐ نے بس اسے ہاتھ میں لے لیا اور فرمایا: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔'' یہی مضمون ابنِ ابی حاتم نے شَعْبی سے، عبدالرزّاق نے ابراہیم نَخَعی سے اور سعید بن منصور نے قیس بن ابی حازِم سے نقل کیا ہے۔

ابنِ اسحاق نے مَغازِی میں اَبان بن صالح سے روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ پانی کے ایک برتن میں ہاتھ ڈال دیتے تھے، اور پھر اسی برتن میں عورت بھی اپنا ہاتھ ڈال دیتی تھی۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ عید کا خطبہ دینے کے بعد آپؐ مردوں کی صفوں کو چیرتے ہوئے اس مقام پر تشریف لے گئے جہاں عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپؐ نے وہاں اپنی تقریر میں قرآنِ مجید کی یہ آیت پڑھی، پھر عورتوں سے پوچھا: ''تم اس کا عہد کرتی ہو؟'' مجمع میں سے ایک عورت نے جواب دیا: ''ہاں، یا رسولؐ اللہ!''

ایک روایت میں، جسے ابنِ حِبّان، ابنِ جَریر اور بَزّار وغیرہ نے نقل کیا ہے، اُمِّ عَطِیہؓ انصاریہؓ کا یہ بیان ملتا ہے کہ ''حضورؐ نے گھر کے باہر سے ہاتھ بڑھایا اور ہم نے اندر سے ہاتھ بڑھائے''، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عورتوں نے آپؐ سے مصافحہ بھی کیا ہو، کیونکہ حضرت اُمِّ عَطِیہؓ نے مصافحے کی تصریح نہیں کی ہے۔ غالبًا اس موقع پر صورت یہ

QuranUrdu.com

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا
غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ
مِنْ أَصْحَٰبِ الْقُبُورِ ﴿١٣﴾ ع

النصف ع ۲ ۷ ۸

یقیناً اللہ درگزر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اَے لوگو جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے، جو آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر مایوس ہیں[۲۴]۔ ع

رہی ہوگی کہ عہد لیتے وقت آپؐ نے باہر سے ہاتھ بڑھایا ہوگا اور اندر سے عورتوں نے اپنے اپنے ہاتھ آپؐ کے ہاتھ کی طرف بڑھا دیے ہوں گے، بغیر اس کے کہ ان میں سے کسی کا ہاتھ آپؐ کے ہاتھ سے مَس ہو۔

۲۴- اصل الفاظ ہیں: قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْءَاخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَٰبِ الْقُبُورِ۔ اس کے دو معنیٰ ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ وہ آخرت کی بھلائی اور اس کے ثواب سے اُسی طرح مایوس ہیں جس طرح زندگی بعدِ موت سے انکار کرنے والے اِس بات سے مایوس ہیں کہ اُن کے جو عزیز رشتہ دار قبروں میں جا چکے ہیں، وہ کبھی پھر زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔ یہ معنیٰ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور حضرات حَسَن بصری، قَتَادہ اور ضَحّاک رحمہم اللہ نے بیان کیے ہیں۔ دوسرے معنیٰ یہ ہو سکتے ہیں کہ وہ آخرت کی رحمت و مغفرت سے اُسی طرح مایوس ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر ہر خیر سے مایوس ہیں، کیونکہ انھیں اپنے مبتلائے عذاب ہونے کا یقین ہو چکا ہے۔ یہ معنیٰ حضرت عبداللہؓ بن مسعود، اور حضرات مجاہد، عِکْرِمہ، ابنِ زید، کَلْبی، مُقاتل اور منصور رحمہم اللہ سے منقول ہیں۔